ماہنامہ

فلاحِ آدمیت

گوجرانوالہ

Reg: CPL No. 80

JUNE 2007

جون
2007

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا

الله

صداقت

محبت

سِلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پروازِ مسلسل

☆ موجودہ دور کے عظیم صوفی اور بانی سلسلہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی تعلیم کا علمبردار۔

☆ رُہبانیت اور شرک سے پاک اور قرآن وسنت کے عین مطابق راہ فقر کی تعلیم کا داعی۔

☆ وحدتِ اُمت، اکرام انسانیت اور فلاح آدمیت کا ترجمان۔

☆ فرقہ واریت، غصہ اور نفرت ختم کر کے عالمگیر محبت اپنانے کا نقیب۔

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

منشور دعوت

وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً
وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ
وَلَا تَكُنْ مِنَ الْغٰفِلِيْنَ ط

الاعراف۔205

ترجمہ

اپنے رب کو اپنے دِل میں عاجزی اور ڈر کے
ساتھ، اُونچی آواز نکالے بغیر، صبح و شام
یاد کرو۔ اور غافلوں میں سے نہ ہونا۔
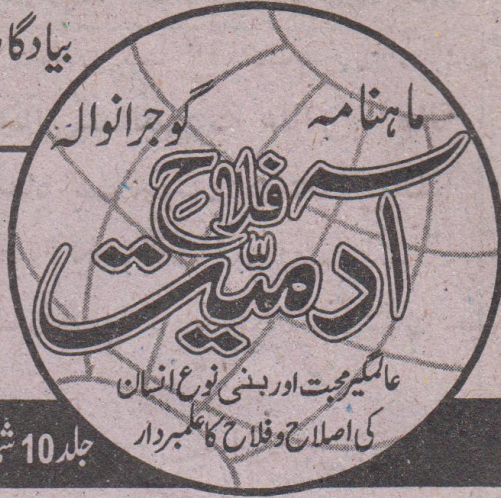
ایڈیٹر وحید احمد

مجلس ادارت

قیمت ــــــــــ 20/- روپے　　سالانہ فنڈ ــــــــــ 200/- روپے

شیخ سلسلہ سے رابطہ کیلئے:
محمد صدیق ڈار توحیدی
مرکز تعمیر ملت نزد وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
Ph:055-3862835
Mob: 0300-6493335

ایڈیٹر سے رابطہ کے لئے:
وحید احمد
تھانہ روڈ بلدیہ مارکیٹ گکھڑ ضلع گوجرانوالہ
Ph:055-3881379
Mob:0300-7409533

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراجدین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

Fax: No. +92-55-4222020
E-mail: tohidia@hotmail.com

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

اس شمارے میں

درس قرآن

الاعراف

(ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰ)

نام

اس سورۃ میں جنت اور دوزخ کے درمیانی مقام ”اعراف“ کا تذکرہ ہے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام ”الاعراف“ رکھا گیا ہے۔

زمانہ نزول اور مباحث

یہ مکی سورت ہے، ترتیب نزول کے اعتبار سے یہ سورۃ اس دور کے ساتھ متعلق ہے جب نبی کریم ﷺ اہل مکہ کو طویل عرصے تک سمجھا چکے مگر وہ اپنی ہٹ دھرمی اور تعصب کے باعث اس دعوت حق کو اپنانے کی بجائے نہ صرف یہ کہ اس کی مخالفت پر ڈٹے رہے بلکہ داعی حق نبی کریم ﷺ ہی کو راستے سے ہٹانے کا پروگرام بناتے رہے۔ اس سورۃ میں روئے سخن اہل مکہ سے پھرا کر عرب کے دیگر قبائل کی جانب موڑ دیا گیا اور اہل مکہ کو تہدیدی انداز میں **فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ** کہہ کر یہ بات باور کرائی جارہی ہے کہ اگر تم نے اب بھی اس دعوت کو قبول نہ کیا تو تمہارے سامنے سابقہ اقوام بطور عبرت موجود ہے۔

عبرت و موعظت کے واقعات میں دیگر اقوام کے ساتھ ساتھ یہود کے معاندانہ رویوں کا بھی ذکر ہے، اس لئے اُن کی منافقانہ روش اور وعدہ خلافی کے انجام بد کا بیان بھی اس سورۃ میں شامل ہے۔

اس سورۃ میں نبی اکرم ﷺ اور مسلمانوں کی حکمت عملی کے طور پر صبر و استقامت اور استعانت باللہ اور مواظبت صلوٰۃ کا حکم دیا گیا اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو حرز جان بنانے اور اس راستے میں پیش آمدہ مشکلات پر عفو و درگزر اور جاہلوں سے اعراض کی تلقین کی گئی ہے۔

تفسیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الٓمّٓصٓ ۝ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِىْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝

("اے محمد! یہ) کتاب (جو) تم پر نازل کی گئی ہے، اس سے تم کو تنگ دل نہیں ہونا چاہئے یہ اس لئے نازل ہوئی ہے کہ تم اس کے ذریعے سے لوگوں کو ڈراؤ اور (اس میں) ایمان والوں کے لئے نصیحت ہے۔" (الاعراف:1-2)

اس آیت کریمہ میں قرآن مجید کے مقصد کی توضیح کی گئی ہے۔ یہ نصیحت ہے مگر ان لوگوں کے لئے جو اس کی صداقت اور اس کے آسمانی کتاب ہونے پر یقین رکھتے ہیں۔ پھر اس مقصد کو مزید واضح کرنے کے لئے بعد والی آیت میں تو صورت حال اس قدر واضح کردی گئی ہے کہ کسی قسم کا اشکال ہی نہ رہے کہ نصیحت کس کو کہتے ہیں۔

نزول قرآن کا مقصد۔ اتباع

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَo

"(لوگو!) جو (کتاب) تم پر نازل کی گئی ہے تمہارے رب کی طرف سے، اس کی پیروی کرو اور اس کے سوا اور رفیقوں کا اتباع نہ کرو (اور) تم کم ہی نصیحت قبول کرتے ہو۔"

(الاعراف:3)

اس سے قبل متعدد مقامات پر اس بات کا ذکر ہو چکا ہے کہ نزولِ قرآن کا مقصد اور تلاوت سے مراد کیا ہے؟

مگر قرآن مجید کی یہ آیت کریمہ ایسی واضح ہے کہ اس میں کسی قسم کے شبہ اور شک کی گنجائش ہی نہ رہی۔ کیونکہ فرمادیا کہ یہ قرآن اس لئے نازل ہوا کہ اس کے احکام پر عمل کرو اور یہ اس وقت ممکن ہے جب ہم اس قرآن کو سمجھیں گے کہ اس میں کن اعمال کی ادائیگی کا حکم ہے اور کن ناپسندیدہ اعمال سے منع کیا گیا ہے۔ اس آیت کے متصل بعد دنیا کی حقیقت کو بھی واضح کردیا کہ اس دنیا میں بسنے والے انسان اگر اپنے خالق کے احکام کو کما حقہ، نہ مانیں تو پھر ان کو ملیا میٹ کردیا جاتا ہے۔ اس کے لئے اقوام گزشتہ کے واقعات کا اجمالی خاکہ یہاں مذکور ہے جبکہ متعدد اقوام کے حالات کو اسی سورۃ میں آئندہ چل کر تفصیلاً مذکور کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی جن لوگوں پر عذاب اترا، اس عذاب کے دوران میں کی گئی ندامت و پشیمانی کا ذکر بھی ہے مگر اس وقت یہ

ندامت اُن کے لئے کارگر نہ ہوئی۔

وکم من قریة اهلکنا فجآ ء ها باسنآ بیاتا اوهم قآئلونo
فمـا کـان دعـوهم اذجـآ ء هم باسنآالا ان قالوآ انا کنا ظلمینo

''اور کتنی ہی بستیاں ہیں کہ ہم نے تباہ کرڈالیں جن پر ہماراعذاب(یا تو رات کو) آتا تھا جبکہ وہ سورہے ہوتے تھے یا(دن کو)جب وہ دوپہر کوآرام کررہے ہوتے تھے پھر جس وقت اُن پرعذاب آتا ،انکے منہ سے یہی نکلتا تھا کہ(ہائے)!ہم(اپنے اوپر)ظلم کرتے رہے۔''
(الاعراف:4۔5)

منکرین قرآن اورآخرت کی رسوائی

دنیا میں اس قدر رذلت کے بعد بھی نافرمانی کے وبال سے جان نہ چھوٹے گی۔ بلکہ ایسے کفار کومیدان حشر میں بھی ذلت ورسوائی کا سامنا کرنا پڑے گااوراس وقت وہ حقائق کو جھٹلابھی نہ سکیں گےاوراس دن اپنے اعمال ہی انسان کی سفارش اورنجات کا سبب بن سکیں گے۔

تکبر۔رسوائی کا سبب

میدان حشر کی منظر کشی کے بعد آدم علیہ السلام کی تخلیق اوران کی عظمت کی وجوہات کا ذکر کیا گیا ہے۔اس مقام پربطورعبرت ابلیس کا ذکر ہے کہ اس کے دربارالٰہی سے مردود ہونے کا باعث کیا بنا؟

قال ما منعاك الا تسجد اذ امرتك ط قال اناخیر منه

''فرمایا جب میں نے تجھ کوحکم دیاتو کس چیز نے تجھے سجدہ کرنے سے بازرکھا۔اس نے کہا کہ میں اس سے افضل ہوں''(الاعراف:12)

آدم علیہ السلام کی تخلیق کےبعد سارےفرشتوں کواورابلیس کوحکم دیا گیا کہ آدم علیہ السلام کو قبلہ مان کرسجدہ کرو۔ابلیس نے سجدہ کرنے سے اعراض بلکہ انکارکیااوراس کا فلسفہ یوں بگھارا کہ میں تو آدم سے بہتر ہوں۔بس یہی بڑائی کا زعم اُس کے مردود ہونے کا سبب بن گیا اورقیامت تک اللہ کی رحمت سے دورکردیا گیا۔

ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کافرمان ہے:

الکبر ردائی

''بڑائی میری پوشاک ہے۔''(بخاری)

اور جوشخص بڑائی اور تکبر کرتا ہے گویا وہ اللہ کی پوشاک میں داخل ہونے کی جسارت کر رہا ہے،اسی لئے احادیث مبارکہ میں تکبر کی بکثرت مذمت کی گئی ہے۔

مردود قرار دیئے جانے کے بعد ابلیس نے قیامت تک شروفساد پھیلانے کی مہلت مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی اس خواہش کو پورا کر دیا اور قیامت تک اس کو مہلت دے دی۔مگر اس اعلان کے ساتھ:

لمن تبعك منهم لاملئن جهنم منكم اجمعين٥

''ان (اولاد آدم) میں سے جو لوگ تیری پیروی کریں گے، (ان کو) اور تجھ کو جہنم میں ڈال کر جہنم کو پُر کر دوں گا۔''(الاعراف:18)

پہلا امتحان۔پہلی شریعت

آدم علیہ السلام اور ان کی زوجہ سیدہ حواء علیہا السلام کو جنت میں سکونت دی گئی جبکہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ تخلیق آدم و اولاد آدم کا مقصد ان کو احکام الٰہی دے کر امتحان لینا تھا۔اس کے لئے پہلا امتحان یوں ہوا کہ ان دونوں میاں بیوی کو جنت میں ٹھہرا کر ایک حکم دے دیا گیا۔

فكلا من حيث شئتما ولا تقربا هذه الشجرة

''پس تم دونوں جہاں سے چاہو (اور جو چاہو) کھاؤ مگر اس درخت کے پاس نہ جانا۔'' (الاعراف:19)

ابلیس کو یہ حکم سنتے ہی ایک موقع مل گیا۔اس نے حواء سے یہ کہہ دیا کہ تم لوگوں کو اس درخت سے اس لئے روکا گیا ہے کہ جو شخص اس درخت کا پھل کھا لے گا،وہ کبھی اس جنت سے نہ نکالا جائے گا۔اس قرب الٰہی کو ابلیس نے ابتلاء کا سامان بنا دیا اور اپنی بات کی صداقت میں قسمیں کھائیں اور یہ ہمیشہ ابلیسی طاقتوں کا ہتھیار رہا ہے کہ وہ اللہ کے نام لے کر قسمیں کھا کر مخلص اور سادہ لوح لوگوں کو بہکاتے ہیں۔

لباس بمقابلہ عیب برہنگی

پس جب آدم اور حواء نے اس پھل کو کھایا تو انہیں فوراً ہی احساس ہو گیا کہ شاہی پوشاک اتر

گئی ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ لباس کو بہت بڑی نعمت قرار دیتے ہیں۔ ہم یعنی ہمارے باپ اور ماں جب جنت میں رہتے تھے تو وہ شاہی پوشاک زیب تن کئے ہوئے تھے۔ شیطان نے جب جھانسہ دیا اور اُن سے سہو ہو گیا تو شاہی پوشاک چھن گئی اور وہ لباس اُتر گیا۔ ہوتا یوں ہے کہ اب بھی جب ہم شیطان کے جھانسے میں آتے ہیں تو پوشاک اتر جاتی ہے اور ہم طرح طرح کی برہنگی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ کچھ ایسی ہی بات ہے جو قرآن مجید فرقانِ حمید میں ایک عمدہ انداز میں کہی گئی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یبنیٓ ادم قد انزلنا علیکم لباساً یواری سواتکم وریشا ط و لباس التقوی ذلك خیر ط ذلك من ایت اللّٰه لعلهم یذکرون o یبنیٓ ادم لا یفتننکم الشیطن کمآ اخرج ابویکم من الجنته ینزع عنهما لباسهما لیریهما سواتهما ط انه یرکم هو وقبیله من حیث لا ترونهم ط انا جعلنا الشیطن اولیآء للذین لا یومنون o

"اے اولادِ آدم! ہم نے تم پر لباس نازل کیا ہے تاکہ تمہارے جسم کے قابلِ شرم حصوں کو ڈھانپے اور تمہارے لئے جسم کی حفاظت اور زینت کا ذریعہ بھی ہو اور بہترین لباس تو تقویٰ کا لباس ہے۔ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک ہے۔ شاید کہ لوگ اس سے سبق لیں۔ اے بنی آدم! ایسا نہ ہو کہ شیطان تمہیں اسی طرح فتنوں میں مبتلا کر دے جس طرح اس نے تمہارے والدین کو جنت سے نکلوایا تھا اور ان کے لباس اتروا دیئے تھے تاکہ اُن کی شرمگاہیں ایک دوسرے کے سامنے کھلیں۔ وہ اور اس کے ساتھی تمہیں ایسی جگہ سے دیکھتے ہیں، جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھ سکتے۔ ان شیاطین کو ہم نے ان لوگوں کا سرپرست بنا دیا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔"

(الاعراف:26-27)

یہاں اگر شیطان کی بجائے مغربی تہذیب کے الفاظ استعمال کر لئے جائیں تو کچھ زیادہ غلط نہیں ہوگا جس طرح شیطان نے اپنے مکر وفریب سے جنت میں ہمیں باعزت لباس سے محروم کروا دیا تھا بالکل اسی طرح مغرب کی شیطانی تہذیب نے ہمیں باحیا ستر پوشی سے محروم کر دیا ہے۔ آگے چل کر ایک اور جگہ ارشاد فرمایا کہ جب عبادت کرنے لگو تو اچھا اور صاف ستھرا لباس

پہن کر آؤ۔

ارشاد فرمایا:

یبنی ادم خذوا زینتکم عند کل مسجدٍ

''ہر سجدے (عبادت) کے موقع پر زینت اختیار کرو۔'' (الاعراف: 31)

بالکل ایسے ہی جیسے کوئی محبوب کے سامنے بن سنور کے آتا ہے۔ یہاں ایک فقہی مسئلہ عرض کر دیا جائے کہ ایسا لباس جس کو پہننے سے ہمیں عام لوگوں کے سامنے عار محسوس ہو مثلاً تہ بند اور بنیان پہن کر ہم باہر جانا اچھا خیال نہیں کرتے۔ اس لباس میں گھر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا بھی مکروہ ہوگا۔ جو شرم ہم اللہ کے بندوں سے کرتے ہیں وہی شرم اللہ سے بھی کرنی چاہئے۔ ایسا نہ ہو کہ میلے کچیلے اور گندے کپڑے پہن کر ہم نماز کے لئے اللہ کے حضور کھڑے ہو جائیں۔ اس سے نماز مکروہ ہو جائے گی۔

اس کے بعد کی آیت میں اللہ تعالیٰ ہمیں اخلاص کا حکم فرما رہے ہیں کہ اللہ کے لئے خالص ہو جاؤ اور ہر عبادت میں اپنا رخ ٹھیک رکھو اور اپنے دین کو اس کے لئے خالص رکھ کر اسی کو پکارو۔ جس طرح اس نے تمہیں اب پیدا کیا ہے، اسی طرح تم پھر پیدا کئے جاؤ گے اور اس کے حضور حاضر کئے جاؤ گے، لیکن اگر اس کی عبادت کرنا ہے تو ملاوٹ یعنی شرک سے بچ بچا کر خالص اللہ تعالیٰ کا بن کر عبادت کرو۔

اس حکم کے بعد ظاہر اور پوشیدہ ہر قسم کے گناہوں سے بچنے کا حکم دیا۔ خصوصاً شرک سے اجتناب کی تلقین کی گئی کیونکہ ابلیس اولاد آدم سے اپنی پرستش مختلف طریقوں سے کراتا ہے۔ اس کے بعد مشرکین کے انجام بد اور آخرت میں ان کی رسوائی کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔

جنت کی اک بڑی نعمت

سورۃ الاعراف کی آیت نمبر 42 میں اہل ایمان کو جنت میں داخلے کی بشارت سنا کر کہا کہ ہم اُن کے دلوں کو شفاف بنا دیں گے۔ اُن کے دِلوں میں کسی قسم کی کدورت اور کینہ نہ ہوگا کیونکہ جنت اور اہلِ جنت کے شایانِ شان نہیں کہ کینہ دل میں رکھا جائے۔ اِس نعمت کے مل جانے پر اہل جنت، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کریں گے جس نے اُن کو یہ نعمت بخشی اور سچی بات تو یہ ہے کہ نیکی کی توفیق اور آخرت میں بخشش انسان کا کمال نہیں، محض اللہ کے احسان سے ہے۔

اِس موقع پر اہل جنت اور اہل دوزخ کا ایک مکالمہ ہماری عبرت کیلئے مذکور ہے۔جس میں اہل دوزخ اہل جنت سے درخواست کریں گے کہ ہم کو دو گھونٹ پانی پلا دو تو اس پر وہ کہیں گے:۔

قالو ا ان اللہ حرمھما علی الکفرینo

الذین اتخذوا دینھم لھوا ولعبا و غرتھم الحیوۃ الدنیا

''بے شک یہ دونوں (جنت کا کھانا پینا)اللہ تعالیٰ نے کافروں پر حرام کر رکھا ہے جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا تھا اور دنیا کی زندگی نے اُن کو دھوکے میں ڈال رکھا تھا''۔

(الاعراف:50-51)

دوزخ میں داخلہ کا سبب

مقامِ عبرت ہے ان لوگوں کے لئے جو احکام الٰہی کو نہ صرف پس پشت ڈالتے ہیں، عمل نہیں کرتے بلکہ اُن فرامینِ الٰہی کا مذاق اُڑاتے ہیں اور آخرت کی زندگی اُن کو قطعاً یاد نہیں اور دنیا میں ہر وقت فتنہ و فساد کی آگ بھڑکانا اُن کا مشغلہ ہے۔جبکہ حکم یہ ہے:۔

ولا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحھا وادعوہ خوفا و طمعا ؕ ان رحمت اللہ قریب من المحسنینo

''اور دنیا میں اصلاح کے بعد خرابی نہ کرنا اور اللہ سے خوف کرتے ہوئے اور اُمید رکھ کر دُعائیں مانگتے رہنا۔بلاشبہ اللہ کی رحمت نیکوکاروں کے قریب ہے۔(الاعراف:56)

دُعا و مناجات قُربِ الٰہی کا ذریعہ

اِس مقام پر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت احسان کرنے والے اور نیکوکاروں کے قریب ہے۔اس مقصد کے حصول کیلئے۔ ؎

اچھا ہے دل کے ساتھ رہے پاسبان عقل

اور اس کیلئے ایک شافی دوا کا ذکر کیا گیا:۔

آدابِ دُعا و ذکر

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

اُدعوا ربکم تضرعا و خفیۃ ؕ انہ لا یحب المعتدینo

''اپنے رب سے عاجزی سے اور چپکے چپکے دُعائیں مانگا کرو۔وہ حد سے بڑھنے والوں کو

دوست نہیں رکھتا''۔ (الاعراف۔55)

آیتِ کریمہ میں دُعا و مناجات اور ذکر کیلئے ادب کا ذکر فرمایا کہ دُعا چپکے چپکے، انکسار اور عاجزی سے مانگنا افضل ہے تا کہ تمہارے اس انداز ذکر و دعا سے دوسرے لوگوں کے مشاغل خراب نہ ہوں۔ان کے آرام، ان کی تعلیم اور عبادت میں خلل پیدا نہ ہو۔اس لئے فرمایا کہ وہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اِس کے بعد والی آیت میں تذکرہ ہے کہ زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے قبضہ وقدرت میں ہے۔اس بات کو بارش، ہوا اور پانی کے سبب زندگی ہونے سے ثابت کیا۔اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی ایک خاص سنت کا اظہار فرماتے ہیں اور وہ سنت بستیوں اور آبادیوں کے بارے میں ہے کہ کہ کس طرح اللہ تعالیٰ پہلے ذرا سی مُشقت اور تنگی دیتے ہیں اور پھر دیکھتے ہیں کہ مُشکل اور تنگی میں لوگوں کا کیا رویہ رہا۔پھر بہت فراخی و کشائش پیدا کرتے اور پھر اچانک گرفت کر لیتے ہیں۔

مختلف اقوام کے واقعات سے عبرت

اِس بات کی تمثیلی وضاحت کیلئے قومِ نوح کی غرقابی، عاد کی بربادی، ثمود کی ہلاکت، قومِ لوط کا زمین میں دھنس جانا اور قومِ شعیب کے انجام بد کا ذکر ہے کیونکہ یہ لوگ شرک کے ساتھ دوسرے معاشرتی گناہوں میں ملوث رہے۔اِس ضمن میں ایک بات یاد رکھنے کی ہے کہ ہر بستی کی تباہی و ہلاکت سے قبل اس قوم کو نبیوں کے ذریعے راہِ حق سمجھائی گئی۔جب قوم اِن انبیاء کی تعلیمات کا مذاق اُڑانے لگی اور معجزات کے مشاہدے کے بعد بھی راہِ حق کو نہ اپنایا تو پھر ان پر عذابِ الٰہی آیا۔اس بات کو یوں ذکر فرمایا:۔

وما ارسلنا فی قریۃ من نبی الا اخذنا اھلھا بالباساءِ و الضراء لعلھم یضرعونo

ثم بدلنا مکان السیئۃ الحسنۃ حتی عفوا وقالوا قدمس اباء نا الضراءُ والسراء فاخذنھم بغتۃ و ھم لا یشعرونo (الاعراف:94-95)

''کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ہم نے کسی بستی میں نبی بھیجا ہو اور اس بستی کے لوگوں کو پہلے تنگی اور سختی میں مبتلا نہ کیا ہو، اس خیال سے کہ شاید وہ عاجزی پر اُتر آئیں۔پھر ہم نے ان کی بدحالی کو خوشحالی میں بدل دیا۔یہاں تک کہ وہ خوب پھلے پھولے اور کہنے لگے کہ ہمارے اسلام پر بھی اچھے اور

برے دن آتے رہے ہیں۔پھر ہم نے ان کو اچانک گرفت میں لے لیا اور ان کو پتا بھی نہ چلا‘‘۔
گویا یہ بدنصیب اقوام یہ سمجھتی رہیں کہ یہ تنگی اور غربت اور پھر خوشحالی یہ تو معمول کی باتیں ہیں۔ایسے ہی ہمارے باپ دادا پر بھی آتی تھیں۔ان میں اللہ کی کسی تدبیر کا دخل نہیں۔حالانکہ چاہیے تو یہ تھا کہ وہ تائب ہوتے اور اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے تو اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کی بارش اُن پر پھر سے برسنے لگتی۔

ایمان وتقویٰ سے دُنیا کی دولت حاصل ہونا

ارشاد باری ہے:۔

ولو ان اهل القرى امنوا واتقوا لفتحنا عليهم بركت من السماء والارض ولكن كذبوا فاخذنهم بما كانوا يكسبون o
افا من اهل القرى ان ياتيهم باسنا بياتا وهم نائمونo
اوامن اهل القرى ان ياتيهم باسنا ضحى وهم يلعبونo
افا امنوا مكر الله ج فلا يامن مكر الله الا القوم الخسرونo

’’اگر بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ کی روش اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے مگر انہوں نے جھٹلایا لہٰذا ہم نے انہیں اس بری کمائی کے حساب میں پکڑ لیا جو وہ سمیٹ رہے تھے۔پھر کیا بستیوں کے لوگ اب اس سے بے خوف ہوگئے ہیں کہ ہماری گرفت کبھی اچانک ان پر رات کے وقت نہ آجائے گی جبکہ وہ سوتے پڑے ہوں؟انہیں اطمینان ہوگیا ہے کہ ہمارا مضبوط ہاتھ کبھی یکا یک دن کے وقت ان پر نہ پڑے گا جبکہ وہ کھیل رہے ہوں؟ کیا یہ لوگ اللہ کی چال سے بے خوف ہیں؟ حالانکہ اللہ کی چال سے وہی قوم بے خبر ہوتی ہے جو تباہ ہونے والی ہو‘‘(الاعراف:96-99)

عام طور پر ایک غلط فہمی پائی جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر اللہ کے دین پر عمل کرنے لگیں تو ہماری دنیا تباہ ہوجاتی ہے۔عام طور پر کہا جاتا ہے کہ دین کی خاطر دنیا کو قربان کرنا ہی پڑتا ہے۔یہاں پر اس غلط فہمی کا ازالہ کردیا گیا۔عام طور پر بستیوں کے لوگ غربت کا شکار ہوتے ہیں۔ان کے بارے میں کہا گیا کہ اگر یہ لوگ ایمان اور تقویٰ کی روش اختیار کر لیتے تو ہم آسمان وزمین دونوں سے برکات کے دروازے ان پر کھول دیتے اور انہیں مالامال کردیتے۔مگر ان

بیوقوفوں نے جھٹلانے کی روش اختیار کی جس کی وجہ سے وہ دنیا وآخرت دونوں میں خسارے کا شکار ہو گئے۔

معلوم ہوا کہ دین پر عمل کرنے میں دنیا وآخرت دونوں کی بھلائی ہے اور اسے چھوڑنے پہ دنیا وآخرت دونوں کا خسارہ ہے۔

قوم موسیٰ کے لئے تسلی

بنی اسرائیل میں سے سیدنا موسیٰؑ اور ان کی قوم کا تفصیلی ذکر ہے۔اس واقعے میں سیدنا موسیٰؑ اپنی قوم کو ان الفاظ میں تسلی دے رہے ہیں:

قال موسی لقومه استعینوا بالله واصبروا ج ان الارض لله قف یورثها من یشآء من عباده ط والعاقبة للمتقین o

قالوا اوذینا من قبل ان یاتینا ومن م بعد ما جئتنا ط قال عسی ربکم ان یهلك عدوکم ویستخلفکم فی الارض فینظر کیف تعملون o

''موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو، زمین اللہ کی ہے اور اللہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے، اس کا وارث بنا دیتا ہے اور آخری کامیابی انہی کے لئے ہے جو اس سے ڈرتے ہوئے کام کریں اور تقویٰ اختیار کریں۔اس پر موسیٰؑ نے جواب دیا کہ قریب ہے وہ وقت کہ تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر ڈالے اور تم کو زمین میں خلیفہ بنائے اور پھر دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔،،(الاعراف:128-129)

سالانہ اجتماع لمحہ بہ لمحہ

(حافظ محمد یٰسین)

سلسلہ عالیہ توحیدیہ جواب کسی تعارف کا محتاج نہیں رہا ہے۔سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی بنیاد عصر حاضر کے عظیم صوفی بزرگ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری رحمتہ اللہ علیہ نے 1950ء میں رکھی۔

حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری 29 جولائی 1893ء کو بھارت کے شہر فرید آباد میں پیدا ہوئے۔لڑکپن میں ہی آپ سے کرامات کا ظہور ہونے لگا۔آپ نے جوار دہلی میں واقع قصبہ دھوج کے رہنے والے ایک بزرگ حضرت مولانا کریم الدین احمد نقشبندی سے بیعت کرنے کے علاوہ ایک اویسی بزرگ حضرت رسالدار محمد حنیف خاں رحمۃ اللہ علیہ سے بھرپور فیض حاصل کیا۔

اللہ کی سچی محبت اور اس کے دیدار کی تڑپ میں راتیں جاگ جاگ کر سلوک کی منزلیں طے کرتے ہوئے بھرپور دنیوی زندگی بسر کی۔اس راہ میں کمال تک پہنچنے اور حصول مراد کے بعد حضور اکرم ﷺ کی امت کی زبوں حالی کی اصلاح کی فکر ہوئی تو اللہ کی عطا کردہ بصیرت کی روشنی میں مروجہ پیری فقیری کو تمام تر اعتقادی ملاوٹوں اور عملی خرابیوں سے پاک کر کے قرآن و سنت کے مطابق سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی بنیاد رکھی۔تقریباً ربع صدی تک قرآنی توحید، کثرت ذکر اور عالمگیر محبت پر مشتمل اسلام کی سچی اور زندگی بخش تعلیم کے ذریعے طالبان راہِ حق کو اللہ کے رنگ میں رنگتے رہے۔

ہزاروں سالکین کے سینوں کو اللہ اور اس کے حبیب ﷺ کے عشق سے منور فرمانے کے بعد 23 جنوری 1977ء کو اللہ سے واصل ہوئے۔

آپ کی قائم کردہ بیدار صوفیوں کی منظم جماعت مخلوق خدا کی اصلاح اور خدمت کا عظیم کام آگے بڑھانے میں سرگرم عمل ہے۔

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا مقصد مسلمانوں میں قرون اولیٰ جیسی صفات پیدا کرنا ہے۔اللہ تعالیٰ کی رضا اسکے رسول کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح و خدمت کے کام کو آگے بڑھانا ہے۔

اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے انکے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے ۔انہی مقاصد کے پیش نظر سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا سالانہ اجتماع 13، 14، 15اپریل 2007ء کو مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ میں شیخ سلسلہ جناب قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی صاحب کی زیر نگرانی منعقد ہوا۔

اجتماع کا باقاعدہ آغاز نماز عصر کے بعد تلاوت کلام پاک اور درود شریف سے ہوا۔خطبہ استقبالیہ گوجرانوالہ کے بھائی علی رضا نے پیش کیا جس میں انہوں نے قبلہ حضور محمد صدیق ڈار صاحب اور مقامی بھائیوں کی طرف سے باہر سے آنے والے مہمانوں کو خوش آمدید کہا جو گونا گوں مصروفیات ترک کر کے محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کیلئے یہاں تشریف لائے ۔

سلسلہ تقاریر میں لاہور کے بزرگ بھائی مولوی محمد یعقوب صاحب نے ''عظیم حریت پسند لیڈر'' کے عنوان سے مقالہ پیش کیا۔

فیصل خاں صاحب آف ملتان نے اپنی مختصر مگر جامع گفتگو میں ملتان میں قبلہ بابا جی سے ملاقات اور حضور اکرم ﷺ کی طرف سے سلسلہ میں داخلہ کیلئے اشارے کا ذکر کیا۔حضور نبی کریم ﷺ کی زیارت اور سلسلہ میں شمولیت پر سب بھائیوں نے مبارکباد پیش کی ۔

چوہدری عبدالرشید ساہی اور چوہدری محمد حسین نے ''میں توحیدی کیسے بنا'' کے عنوان کے تحت اظہار خیال کیا۔

نماز مغرب کے بعد اجتماعی حلقہ ذکر کی محفل منعقد کی گئی۔نماز عشاء کے بعد وقفہ طعام و آرام ہوا۔اجتماع کے دوسرے دن نماز فجر کے بعد ایصال ثواب کیلئے اجتماعی تلاوت کا اہتمام کیا گیا۔ مجلس مشاورت میں تمام خادمان حلقہ اور مجازین کرام نے شرکت کی جس میں قبلہ بابا جی نے سلسلہ کی تعلیم کی اشاعت اور مرکز کی تعمیر و ترقی کے بارے میں بریف کیا۔

وقفہ طہارت و ناشتہ کے بعد 9 بجے دوسرے دن کی کاروائی کا آغاز ہوا۔تلاوت قرآن حافظ عبدالکریم صاحب اور نعت شریف عبدالرشید ساہی نے پیش کی ۔ میں توحیدی کیسے بنا میں رانا صفدر آف نارووال نے درود شریف کی اہمیت حضور اکرم ﷺ کی سیرت اور قبلہ انصاری

صاحب سے اپنی ملاقات کا ذکر کیا۔ خالد محمود آف ملتان نے سلسلہ عالیہ توحیدیہ میں شمولیت کا تذکرہ کیا۔

سلسلہ تقاریر میں سید امین شاہ آف ملتان نے ''نفس انسانی'' کے عنوان سے اظہار خیال کیا جس میں انہوں نے نفس کی اقسام، انسان کی پیدائش اور خدا کے دیدار کے حوالے سے سیر حاصل گفتگو کی۔

غلام مرتضیٰ صاحب آف راولپنڈی نے خطوط حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے حوالے سے اظہار خیال کیا۔ محمد عتیق عباسی صاحب نے قبلہ انصاری صاحب اور خدمت خلق کے حوالے سے بات چیت کی۔

نماز ظہر کے بعد وقفہ طعام و آرام ہوا۔ نماز عصر کے بعد دوسرے دن کی سب سے اہم نشست منعقد ہوئی جس میں شیخ سلسلہ جناب قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب نے ''انسان کے نام'' کے عنوان سے خطبہ دیا۔

نماز مغرب کے بعد حلقہ ذکر اور نشست بیعت ہوئی۔

بعد از نماز عشاء وقفہ طعام اور پھر محفل سماع کی نشست منعقد کی گئی۔ دو بجے وقفہ چائے اور پھر دوبارہ محفل سماع ہوئی۔ تقریباً 4 بجے ترانہ توحیدیہ پیش کیا گیا۔ نماز فجر ادا کرنے کے بعد ناشتے کا اہتمام کیا گیا اور شیخ سلسلہ سے الوداعی ملاقات کا سلسلہ شروع ہوا جو بھائیوں کی روانگی تک جاری رہا۔ یوں سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا اجتماع اپنے اختتام کو پہنچا۔

اجتماع کا سماں پورے سال کیلئے ہمارے دلوں میں تازگی اور نیا جوش پیدا کرتا رہے گا۔ آخر میں ہم خداوند کریم کے حضور دعا گو ہیں کہ وہ مسلمانان عالم کو اپنی اور اپنے حبیب ﷺ کی سچی محبت عطا فرمائے۔ تمام عالم اسلام کو سیاسی اور فروعی اختلافات ختم کر کے ملت واحدہ بننے کی توفیق دے اور اپنے فضل سے اقوام عالم کی قیادت کی اہلیت سے نوازے۔ آمین

وہ سو سال تک سویا رہا

رب کائنات کی عظمت اور قدرت کا نشان (ایک عبرت اثر واقعہ)

(محمود جمال)

چنانچہ قدرت الٰہی کے یہ نشانات دیکھنے کے بعد مسافر نے بستی کی جانب نظر کی تو اسے آباد اور بارونق پایا۔ تب اس نے اظہار عبودیت کے بعد اقرار کیا کہ بلاشبہ تیری قدرت کاملہ کے لیے یہ سب کچھ آسان ہے۔ اس طرح اُسے علم الیقین کے بعد عین الیقین کا درجہ بھی حاصل ہوگیا۔ یہ مسافر کون تھا جس سے اللہ نے باتیں کیں؟ روایت ہے کہ یہ حضرت عزیر علیہ السلام تھے۔ اس واقعے کے بارے میں قرآن کا بیان ہے:

''اور کیا تم نے اس شخص کا حال نہیں دیکھا، جس کا ایک بستی پر گزر ہوا جو چھتوں سمیت زمین پر ڈھیر تھی تو وہ کہنے لگا، اس بستی کی موت (تباہی) کے بعد اللہ تعالیٰ کس طرح اس کو زندگی دے گا (آباد کرے گا) پس اللہ نے اس شخص پر (اسی جگہ) سو برس تک موت طاری کردی اور پھر زندہ کر دیا۔ تب اللہ نے دریافت کیا۔ یہاں کتنی مدت پڑے رہے؟ اس نے جواب دیا، ایک دن یا دن کا بعض حصہ۔ اللہ نے کہا، ایسا نہیں ہے بلکہ تم سو برس تک اس حالت میں رہے۔ پس تم اپنے کھانے پینے (کی چیزوں) کو دیکھو کہ وہ بگڑی تک نہیں اور پھر اپنے گدھے کو دیکھو (کہ وہ گل سڑ کر ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا ہے) اور (یہ سب اس لیے) تاکہ ہم تم کو لوگوں کیلئے 'نشان' بنائیں اور اب تم دیکھو کہ کس طرح ہم ہڈیوں کو ایک دوسرے پر چڑھاتے اور آپس میں جوڑتے اور پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں۔ پس جب اُسے ہماری قدرت کا مشاہدہ ہوگیا، تو اس نے کہا۔ میں یقین کرتا ہوں کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے''۔ (البقرہ)

سوال یہ ہے کہ وہ کونسی بستی تھی جس سے عزیرؑ کا گزر ہوا؟ مفسرین اور مؤرخین کے نزدیک وہ یروشلم تھا۔ پھر ایک سوال یہ بھی ہے کہ یروشلم جیسے بے مثال شہر کا یہ حال کیونکر ہوا اور کس نے کیا؟ آیئے تاریخ کے جھروکے سے جھانک کر دیکھتے ہیں۔

دراصل اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم فرمایا تھا کہ تم یروشلم جاؤ، ہم اُسے دوبارہ آباد کریں گے۔

جب حضرت عزیرؑ وہاں پہنچے اور شہر کو تباہ حال اور کھنڈر پایا، تو بمقتضائے بشریت کہہ اُٹھے کہ اس مردہ بستی کو دوبارہ کیسے زندگی ملے گی؟

ان کا یہ قول صرف اظہار تعجب تھا لیکن اللہ تعالیٰ کو اپنے برگزیدہ بندے اور نبی کی یہ بات بھی پسند نہیں آئی کیونکہ ان کے لیے یہی کافی ہونا چاہیے تھا کہ خدا نے بستی کو دوبارہ آباد کرنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ چنانچہ ان کے ساتھ وہ معاملہ پیش آیا جس کا ذکر مذکورہ بالا آیات میں کیا گیا۔ جب جب وہ زندہ کیے گئے تو اس دوران یروشلم (بیت المقدس) آباد ہو چکا تھا۔ اس واقعے کے بارے میں مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کی تحقیق قابل قدر ہے وہ لکھتے ہیں:

صحابہ کرامؓ میں سے حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن سلامؓ کا رجحان اسی جانب ہے کہ یہ واقعہ حضرت عزیرؑ سے متعلق ہے لیکن وہب بن منبہ، محمد بن عبیدؓ اور ایک روایت میں عبداللہ بن سلامؓ کا قول یہ ہے کہ یہ شخص حضرت ارمیاہ (یرمیاہ) نبی تھے۔ ابن جریر طبری نے اسی قول کو ترجیح دی ہے اور علماء کی اکثریت کے نزدیک یہی صحیح ہے۔

تاریخی بحث

یہ وہ زمانہ ہے جب بنی اسرائیل کی سرکشی اور شرارت حد سے تجاوز کر چکی تھی اور ظلم و فساد کا بازار گرم تھا۔ اس زمانے کے پیغمبر حضرت یرمیاہؑ پر وحی آئی کہ بنی اسرائیل میں منادی کر دو کہ وہ اپنی حرکاتِ بد سے باز آ جائیں ورنہ گزشتہ اقوام کی طرح انہیں بھی تباہ و برباد کر دیا جائے گا۔ یرمیاہؑ نے خدا کا یہ پیغام جب بنی اسرائیل تک پہنچایا تو انہوں نے کوئی اثر قبول نہیں کیا، ان کے ظلم و شرارت میں نہ صرف اضافہ ہو گیا بلکہ انہوں نے اپنے نبی کو زندان میں ڈال دیا۔ اس حالت میں یرمیاہؑ نے انہیں بتایا کہ وہ شاہ بابل کے ہاتھوں برباد ہوں گے، وہ ان کو قید کر کے بابل لے جائے گا اور یروشلم کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے گی۔

تقریباً ساتویں صدی قبل مسیح کا وسط تھا جب بابل میں بخت نصر کا ظہور ہوا اور اس نے اپنی قاہرانہ و جابرانہ طاقت سے قرب و جوار کی تمام حکومتوں کو زیر کر لیا۔ کچھ عرصہ بعد اس نے فلسطین پر پے در پے تین حملے کر کے بنی اسرائیل کو شکست فاش دی اور یروشلم سمیت فلسطین کے تمام

علاقے برباد کرڈالے۔وہ پھر بنی اسرائیل کوقید کر کے بھیڑ بکریوں کی طرح ہنکا تا بابل لے گیا اور تو ریت کے تمام نسخے جلا کر خاکستر کر دیئے،اسرائیلیوں کے پاس ایک نسخہ بھی باقی نہ رہا۔

جب بخت نصر اسرائیلیوں کوقید کر کے غلام بنا رہا تھا،تو کسی شخص نے اسے بتایا کہ یہاں ایک ایسا شخص زندان میں قید ہے،جس نے تیرے حملے کی پیشن گوئی کر کے بنی اسرائیل کوڈرایا تھا مگر اس کی قوم نے کان نہ دھرا اور اسے قید کر دیا۔بخت نصر نے یہ سنا تو یرمیاہؑ کوقید سے نکلوایا اور ان سے بات چیت کی۔ان کی علم و دانش سے بھرپور گفتگو سن کر بخت نصر نے خواہش کی کہ وہ بھی اس کے ساتھ چلیں،وہ انہیں احترام سے رکھے گا۔مگر انہوں نے یہ کہہ کر پیشکش رد کر دی کہ میری قوم ذلت کے ساتھ بابل لے جائی جا رہی ہے،میں اس کے مقابلے میں موجودہ حالت کوترجیح دیتا ہوں۔چنانچہ انہوں نے یروشلم سے دور کسی جنگل میں بودوباش اختیار کر لی۔یرمیاہؑ نبی کے صحیفہ میں ہے کہ انہوں نے وہیں بیٹھ کر یہ پیشن گوئی کی کہ بنی اسرائیل ستر سال تک ذلت وخواری کے ساتھ غلام رہیں گے،اس کے بعد اپنے وطن میں آبسیں گے۔

بخت نصر کی ہلاکت کے عرصہ دراز کے بعد تقریباً 539ق م میں فارس کے بادشاہ سائرس اعظم نے بابل کے بادشاہ،بیل ساہ زادکوشکست دے کر بنی اسرائیل کواس کے مظالم سے نجات دلائی۔سائرس نے پھر بنی اسرائیل کو نہ صرف آزاد کیا بلکہ یروشلم اور ہیکل کی تعمیر کے لیے انہیں امداد بھی دی۔سائرس(جسے قرآن نے ذوالقرنین کہا ہے)فتح بابل کے بعد تقریباً دس برس زندہ رہا۔اسی دوران بنی اسرائیل آزاد ہوکر یروشلم کی تعمیر میں مشغول ہو گئے۔

تاہم عزار کے صحیفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تعمیر اس کی زندگی میں مکمل نہ ہوسکی۔درمیان میں بعض افسروں نے ایسی درانداز یاں کیں کہ اسرائیلیوں کودومرتبہ اس کی تعمیر روکنی پڑی۔دارا اور اس کے بعد اردشیر کے زمانے میں جا کر یروشلم پہلے سے زیادہ بارونق نظر آنے لگا۔

اس تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ بخت نصر کے یروشلم تباہ کرنے اور اردشیر کے زمانے میں دوبارہ اس کے آباد ہونے کے درمیان جوطویل مدت ہے،اسی کا ذکر سورہ بقرہ کی آیات میں آیا ہے۔

قرائن وشواہد سے ظاہر ہے کہ جب یرمیاہؑ نے بخت نصر کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا اور

وہ یروشلم کی تباہ حالی سے گھبرا کر کسی جنگل میں گوشہ گیر ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی انہیں حکم دیا کہ وہ اس ویرانے میں جا کر رہیں جو آج اگرچہ بنی اسرائیل کی بداعمالیوں کی بدولت تباہ حال ہے مگر ہمیشہ سے نبیوں کی مقدس سرزمین رہا ہے اور یہ کہ اسے دوبارہ آباد کیا جائے گا۔

جب حضرت یرمیاہؑ خدا کے حکم سے وہاں پہنچے اور اس کی تباہی و بربادی کا پورا نقشہ دیکھا، تو انہوں نے حسرت و یاس اور تعجب کے ساتھ دل میں یا زبان سے کہا ہوگا کہ اب کون سے ایسے اسباب پیدا ہوں گے جن کے ذریعے خدائے تعالیٰ اس مردہ بستی کو دوبارہ زندگی بخشے گا؟

اس کے بعد وہ معاملہ پیش آیا جو زیر بحث آیات میں مذکور ہے۔ اگر ہم اس پر ایک اضافہ کرنے کی جسارت کریں تو بیجا نہیں ہوگا۔ خدا کی حکمت و مصلحت کا یہ تقاضا تھا کہ ابھی یروشلم دوبارہ آباد ہونے میں طویل مدت باقی ہے اور یرمیاہؑ قوم سے الگ اس ویرانے میں رہیں گے تو یہ ان کے لیے ناقابل برداشت سانحہ ہوگا لہٰذا رحمت حق نے متعجبانہ سوال کو بہانہ بنا کر انہیں موت کی آغوش میں سلا دیا اور اس وقت بیدار کیا جب یروشلم پہلے کی مانند بارونق ہو چکا تھا۔ واقعات کی اس پوری مدت کے مطابق حضرت یرمیاہؑ کی عمر کا تخمینہ تقریباً ڈیڑھ سو سال بنتا ہے اور یہ مدت اس زمانے کی عمر طبعی کے لحاظ سے تعجب خیز نہیں۔

اس تحقیق کی تائید حضرت یسعیاہؑ کی اس پیش گوئی سے بھی ہوتی ہے جو انہوں نے نجات دہندہ بنی اسرائیل، سائرس کے متعلق ڈیڑھ سو سال قبل کی تھی اس لئے کہ یسعیاہؑ نبی کا انتقال ہونے کے بعد ہی یرمیاہؑ کا ظہور رہا۔

اس کے برعکس حضرت عزیرؑ کی حیاتِ طیبہ کے متعلق جو تفصیلات توریت اور اسرائیلیات میں منقول ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ بابل کی اسیری کے زمانے میں وہ صغیر سن تھے اور اسرائیلیوں کے ساتھ بابل ہی میں رہے۔ پھر چالیس سال کی عمر میں، فقیہ تسلیم کر لیے گئے اور وہیں منصب نبوت سے سرفراز ہوئے۔ یروشلم کی تعمیر میں رکاوٹ ڈالنے والوں کے خلاف دارا اور اردشیر کے درباروں میں جس وفد نے کوششیں کیں ان میں بھی وہ پیش پیش رہے۔ توریت ناپید ہو جانے کے بعد یروشلم میں اس کی تجدید انہی کے فیضانِ نبوت کا اثر تھا۔

غرض بنی اسرائیل کی اسیری سے لے کر رہائی اور تعمیر یروشلم تک کی درمیانی مدت میں حضرت عزیرؑ بنی اسرائیل کے ساتھ ساتھ نظر آتے ہیں۔

عزیرؑ خدا کا بیٹا کیوں؟

گزشتہ سطور میں آچکا ہے کہ بخت نصر نے توریت کے تمام نسخے جلا کر خاک کردیے تھے، یوں بنی اسرائیل کے پاس کوئی نسخہ باقی نہیں بچا اور نہ کوئی حافظ تھا جسے اول تا آخر توریت حفظ ہو۔عرصہ دراز بعد عزیرؑ کو جب قید سے نجات ملی اور وہ یروشلم میں دوبارہ آباد ہوئے، تو انہیں یہ فکر لاحق ہوئی کہ خدا کی کتاب (توریت) کس طرح حاصل کی جائے۔

تب حضرت عزیرؑ (عزارہ) نبی نے سب اسرائیلیوں کو جمع کیا، ان کے سامنے توریت اول سے آخر تک پڑھی اور انہیں تحریر کروادی۔

بعض اسرائیلی روایات میں ہے کہ جس وقت انہوں نے بنی اسرائیل کو جمع کیا، تو سب کی موجودگی میں آسمان سے دو چمکتے شہاب اترے اور حضرت عزیرؑ کے سینے میں سما گئے۔تب انہوں نے بنی اسرائیل کو از سر نو توریت، مرتب کر کے عطا فرمائی۔جب وہ اس اہم کام سے فارغ ہوئے تو بنی اسرائیل نے انتہائی مسرت کا اظہار کیا اور ان کے دلوں میں حضرت عزیرؑ کی قدر و منزلت بڑھ گئی۔آہستہ آہستہ اس محبت نے گمراہی کی شکل اختیار کرلی اور پھر وہ عزیرؑ کو خدا کا بیٹا کہنے لگے جس طرح نصاریٰ عیسیٰؑ ابن مریم کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں۔(العیاذُ باللہ)

(بشکریہ اُردو ڈائجسٹ)

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن

(ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی)

اللہ تعالیٰ کی راہ میں کی جانے والی جدوجہد قرآن مجید کی رو سے ''جہاد فی سبیل اللہ'' ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جہاد کیلئے مسلمانوں کو ترغیب دینے اور تیار رہنے کیلئے براہ راست اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا ہے:۔

''اے نبیؐ! مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دو۔ اگر تم میں بیس صبر کرنے والے ہوں گے تو دوسو پر غالب آئیں گے، اور اگر تم میں ایک سو ہوں گے تو ہزار کافروں پر غالب آئیں گے'' (الانفال:65:8)

مسلمانوں کو جہاد کا حکم کیوں دیا گیا، سورہ ''البقرۃ'' میں اس کی حکمت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''اگر اللہ بعض لوگوں کے شر اور فساد کا علاج اور سدباب بعض لوگوں کے ہاتھوں نہ کرتا، تو تمام زمین میں فساد پھیل جاتا۔(251:2)

یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کو حکم دیا کہ زمین پر ان (فساد کرنے والوں) سے لڑو، یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے (البقرہ:93:2) اور جنگ (میں دشمن) اپنے ہتھیار ڈال دے۔(محمد:4:47)

قرآن حکیم کے ان احکام سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا منشا یہ ہے کہ مسلمان کفار کے ساتھ جہاد کے لئے اپنے آپ کو ہر وقت تیار رکھیں۔ جہاد کا لفظ جہد سے ہے، جس کے معنی ہیں محنت کرنا، کوشش کرنا، شریعت کی اصطلاح میں یہ حق کی اشاعت وحفاظت اور اس کی سربلندی کے لئے کوشش کرنا اور دشمنان دین کو شکست دینے کے لئے تمام جسمانی، مالی اور فکری قوتوں کو بروئے کار لانا اور اس مقصد کی خاطر اپنے آپ کو پوری طرح تیار رکھنا ہے۔

اسلام میں ذاتی نام ونمود اور قومی غیرت وحمیت کی خاطر جنگ کرنا، یا مادی و دنیوی نفع حاصل کرنے کے لئے جنگ لڑنا جہاد نہیں ہے جیسا کہ حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ انسان کبھی اظہار شجاعت کے لئے لڑتا ہے، کبھی قومی غیرت وحمیت کی خاطر، اور کبھی مادی و دنیوی منافع حاصل کرنے کی خاطر۔ تو ان میں سے کون سی جنگ جہاد کہلائے گی۔ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص صرف اس لئے جنگ کرے کہ زمین پر اللہ کا بول بالا ہو (یعنی صرف اسی کا حکم چلے) تو وہ ''جہاد فی سبیل اللہ'' ہے۔

(بخاری: کتاب الجہاد)

جب جنگ و جہاد کا موقع آجائے تو پھر ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس کی خاطر کمر بستہ ہو جائے جیسا کہ سورہ توبہ میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

''نکلو، (خواہ تم) ہلکے ہو یا بھاری۔ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال و جان سے جہاد کرو۔ یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔ اگر تم علم رکھتے ہو''۔

یعنی جب کفار سے جنگ لڑنے کا وقت آجائے تو جوان اور بوڑھے، امیر و غریب، فارغ و مشغول، کمزور و قوی سب اپنی اپنی استطاعت کے مطابق جہاد کے لئے تیار ہو جائیں، کیونکہ یہی وہ موقع ہے جس میں ایک رات جاگنا ہزار راتیں جاگ کر عبادت کرنے سے بڑھ کر ہے، اور میدان میں جم کر کھڑے ہونا گھر بیٹھ کر ساٹھ برس عبادت کرنے سے افضل ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جس بندے کے پاؤں جہاد فی سبیل اللہ میں غبار آلود ہوں، اس کو دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی۔

جہاد کے موقع پر مجاہدین کی مدد، اور ان کے اہل خانہ کی خدمت بھی بہت زیادہ اجر و ثواب کا کام ہے۔ حضرت زید بن خالدؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے کسی جہاد کرنے والے کا سامان درست کر دیا اس نے (بھی) گویا جہاد کیا، اور جو شخص جہاد کرنے والے کے اہل و عیال کا خدمت گزار رہا اس نے بھی گویا جہاد کیا۔ (بخاری جلد 1 صفحہ 399)

جہاد کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے، جب کفار ظلم و زیادتی پر اتر آئیں اور ان کی وجہ سے مسلمانوں کے جان و مال اور عزت و آبرو کو خطرہ درپیش ہو، اور اللہ کی زمین میں فتنہ و فساد کو پھیلایا جا رہا ہو۔ ایسے موقع پر ہر مسلمان پر جہاد فرض ہو جاتا ہے۔ اس وقت جو مسلمان براہ راست جنگ میں شریک ہو سکتے ہوں، ان پر جنگ میں شریک ہونا لازم ہے جو محاذ جنگ میں نہیں جا سکتے، انہیں چاہئے کہ وہ شہروں کے اندر مجاہدین کے خاندان کی دیکھ بھال کریں، شہری نظم و نسق کو قائم رکھیں، افواہیں پھیلانے والوں کا مقابلہ کریں، اور جو مالی استطاعت رکھتے ہوں، وہ اپنے مال سے امداد کریں۔ اسی طرح جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے زبان و قلم کی قوت سے نوازا ہے، وہ اپنی ان صلاحیتوں سے اہل وطن کے حوصلے بڑھائیں، گویا جہاد کے موقع پر ہر مسلمان کا حسب استطاعت جہاد میں شامل ہونا لازمی ہے اسی لئے مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ زمانہ امن میں بھی جہاد کے لئے تیاری میں مشغول رہیں، اور اس سلسلے میں ہرگز غفلت نہ برتیں۔ ارشاد ربانی

ہے: ''تم لوگ جہاں تک تمہارا بس چلے ،زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے گھوڑے ان (کفار) کے مقابلے کے لئے مہیا رکھوتا کہ اس کے ذریعے سے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو، اور ان دوسرے دشمنوں کو خوفزدہ کرو، جنہیں تم نہیں جانتے ،مگر اللہ جانتا ہے'' (الانفال:60:8)

اسلام میں جہاد اللہ کے دین کو غالب کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ اس میں سخت جنگ و قتال کے موقع پر بھی جنگ میں حصہ نہ لینے والے افراد پر ظلم ڈھانے کی اجازت نہیں۔ رسول اللہ ﷺ جب اسلامی لشکر کو کسی مہم روانہ فرماتے تو ہدایت فرماتے:

''اللہ کے نام پر اللہ کی راہ میں کفار سے لڑنا، خیانت اور بدعہدی نہ کرنا، مردوں کی ناک نہ کاٹنا، بچوں کو قتل نہ کرنا۔ (سیرت النبیؐ جلد دوم: صفحہ 275)

خلیفۃ الرسول حضرت ابو بکر صدیق ؓ نے جیش اسامہ کو روانہ کرتے وقت امیر لشکر کو ہدایت کی کہ ''جو لوگ تمہارے مقابل ہوں، ان کے اعضا نہ کاٹنا، ان کے جسم مسخ نہ کرنا، بچوں، بوڑھوں اور بیماروں پر ہتھیار نہ اٹھانا۔ عورتوں کی بے حرمتی نہ کرنا۔ لوگوں کے گھروں اور ان کی املاک کو نقصان نہ پہنچانا۔ جو لوگ اپنی عبادت گاہوں میں بیٹھے ہوں یا مصروف عبادت ہوں، انہیں کچھ نہ کہنا''۔

ایک جنگ کے موقع پر کسی مسلمان سپاہی کی غلطی سے ایک کافر عورت قتل ہوگئی۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے مقتول پایا تو سخت مغموم ہوئے اور نہایت افسوس کے ساتھ فرمایا کہ یہ تو جنگ کرنے والی نہ تھی، اس کو کیوں قتل کیا گیا۔

تاریخ پر ایک نظر ڈالنے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ جہاد میں مسلمانوں کی کامیابی کی بڑی وجہ ان کا شوق شہادت تھا۔ رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کے اس شوق شہادت کو ہمیشہ بڑھاتے رہتے۔ ایک موقع پر آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''انسانوں میں بہترین زندگی اس شخص کی ہے، جو اللہ کی راہ میں اپنے گھوڑے کی باگ پکڑے گھوڑے کی پشت پر سوار ہو، اور جب خوف (یعنی جہاد) کی آواز سنے، تو فوراً اس کی طرف دوڑے اور قتل اور موت کو تلاش کرے۔ (یعنی درجہ شہادت حاصل کرنے کے لئے سعی کرے۔ (مشکوٰۃ کتاب الجہاد)

رسول اللہ ﷺ کی تعلیم و تربیت کی بدولت صحابہ کے شوق شہادت کا یہ حال تھا کہ جنگ قادسیہ کے موقع پر اسلامی فوج کے سپہ سالار حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ نے ایرانی فوج کے سپہ سالار رستم کو خط لکھا کہ

''مت بھولو، میرے ساتھ سرفروشوں کی وہ جماعت ہے، جو موت کو ایسا ہی محبوب رکھتی

ہے، جیسا تم زندگی کے عیش ونشاط کو محبوب رکھتے ہو''۔
موجودہ دور میں عیش کوشی اور تساہل پسندی نے مسلمانوں کا جو حال کیا ہے، اس کا علاج صدر اول کے مجاہدین کے ذوق شہادت کے ایمان افروز واقعات سے ممکن ہے کیونکہ مسلمان جب تک دنیا پر دین کو نثار کر دینے کا جذبہ پیدا نہ کریں گے، وہ ہرگز ایک باوقار اور غالب قوم کی حیثیت سے دنیا میں نہ اُبھر سکیں گے۔ مسلمان ماضی میں بھی جذبہ جہاد اور ذوق شہادت کی بدولت دنیا میں کامیاب و کامران ہوئے تھے، اور آج بھی اسی کی بدولت ذلت و رسوائی کے گہرے گڑھے سے نکل سکتے ہیں۔ صحابہ کرام کا ذوق شہادت دیکھئے۔
جنگ بدر کے موقع پر مسجد نبوی میں بھرتی کا دفتر کھلا، تو سارا مدینہ اٹھ پڑا۔ ہر شخص جہاد پر جانے کے لئے تیار تھا۔ ادھر شہر کی حفاظت کا سوال بھی درپیش تھا۔ باپ، بیٹے اور بھائی میں بحث ہونے لگی۔ شوق جہاد اور ذوق شہادت کے باعث ہر کوئی دوسرے سے کہتا۔
''بھائی تم مدینے میں رہو، اور مجھے جہاد پر جانے دو'' بیٹا باپ سے عرض کرتا ''آپ ضعیف ہیں، گھر میں رہئے اور مجھے جہاد میں شرکت کی اجازت دیجئے'' باپ جواب دیتا ''نہیں بیٹے! میں دنیا کا سب کچھ دیکھ چکا، تم ابھی جوان ہو، مجھے شہادت کا رتبہ حاصل کر لینے دو، تم کو تو اور بھی موقعے ملیں گے''۔
لیکن کون مانتا تھا آخر قرعہ اندازیاں ہونے لگیں۔
غزوہ تبوک میں شرکت کے لئے جب حضور ﷺ نے منادی کروائی، تو واثلہؓ بن اسقع تمام مدینے میں پکارتے تھے کہ کون ایسے شخص کو سواری دینا پسند کرے گا، جو اپنا مال غنیمت اس کے صلے میں دینے کو تیار ہے۔
یہ بات ایک ضعیف انصاری نے سن لی، بولے: میں دیتا ہوں، چنانچہ مال غنیمت پر فیصلہ ہو گیا۔ میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ مال غنیمت تقسیم ہوا تو حضرت واثلہؓ کے حصے میں جوان اونٹنیاں آئیں۔ انہوں نے وہ اونٹنیاں لا کر ضعیف انصاری کے گھر کے سامنے کھڑی کر دیں، وہ لاٹھی ٹیکتے ہوئے آئے اور بولے: ذرا اِدھر اُدھر پھرا کر تو دکھاؤ۔
حضرت واثلہؓ نے اونٹنیوں کو آگے پیچھے گمایا، تو ضعیف صحابی بولے: نہایت عمدہ ہیں۔
حضرت واثلہؓ نے جواب دیا: آپ ہی کی تو ہیں۔
ضعیف انصاری نے جواب دیا اونٹنیاں لے جاؤ ہمارا مقصد پورا ہو گیا، یعنی جہاد میں شرکت

کا ثواب۔

غزوہ بدر کے موقع پر حضرت ام ورقہؓ بن نوفل نے، جو ایک صحابیہ تھیں، حضورﷺ کی خدمت میں پیش ہو کر جہاد میں شرکت کی اجازت چاہی، اور عرض کیا کہ میں جنگ میں زخمیوں کی مرہم پٹی اور تیمارداری کروں گی۔ ممکن ہے اس طرح مجھے درجہ شہادت میسر آجائے۔

غزوہ حنین سے قبل ایک بدو مشرف بہ اسلام ہوا۔ اس نے حنین کی جنگ میں شرکت کی۔ جنگ کے بعد مال غنیمت تقسیم ہوا تو حضورﷺ نے اس کا بھی حصہ نکالا۔ بدو نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! (ﷺ) میں اس مال کے لئے اسلام نہیں لایا، میں تو اس لئے ایمان لایا ہوں کہ جہاد میں میرے حلق میں تیر لگیں، اور میں شہید ہو کر جنت میں جاؤں۔

کچھ دنوں بعد جنگ چھڑی تو میدان جنگ میں اس کے حلق پر تیر لگا اور وہ شہید ہو گیا۔ صحابہ کرامؓ اس کی لاش حضورﷺ کی خدمت اقدس میں لائے۔ آپؐ نے فرمایا:

''اس نے اللہ کی تصدیق کی'' پھر اپنا جبہ مبارک بطور کفن اسے پہنایا

حضرت طلحہؓ (جن کا شمار عشرہ مبشرہ میں ہوتا ہے) ستر برس کے تھے کہ ایک روز تلاوت قرآن پاک کے دوران یہ آیت نظر سے گزری:

''اللہ کی راہ میں نکلو، خواہ ہلکے ہو، یا بھاری''

پڑھتے ہی جہاد کا ولولہ تازہ ہو گیا، گھر والوں سے فرمایا: اللہ نے بوڑھے اور جوان سب پر جہاد فرض کیا ہے۔ میں جہاد پر جانا چاہتا ہوں۔ سفر کا سامان کر دو۔

بڑھاپے اور مسلسل روزے رکھنے کے باعث حضرت طلحہؓ بے حد لاغر اور نحیف ہو چکے تھے۔ اس لئے گھر والوں نے کہا:

''اللہ آپ پر رحم کرے۔ عہد نبوی کے کل غزوات میں آپ شریک ہوئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ خلافت میں بھی آپ نے برابر جہاد کیا۔ آپکو اس بڑھاپے میں بھی جہاد کی خواہش باقی ہے؟ آپ گھر پر رہیں، ہم جہاد پر جاتے ہیں لیکن حضرت طلحہؓ نہ رکے۔ شوق جہاد اور ذوق شہادت انہیں میدان جنگ میں لے ہی گیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تاریخ اسلام شوق جہاد اور ذوق شہادت کے ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے۔

(بشکریہ روزنامہ نوائے وقت)

تاریخ تصوف

حضرت ابوسعید خراز کی کتاب الصدق سے چند اقتباسات

(پروفیسر یوسف سلیم چشتیؒ)

الصدق فی الحلال الصافی:

"پس ہر وہ قلب جو طاہر او رصافی ہے، آخرت کا آرزومند ہے اور جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے حال کا نگران ہے (اُسے دیکھ رہا ہے) اسی لیے وہ ڈرتا رہتا ہے مبادا وہ خفیہ طور (اپنے دل میں) املاک دنیوی کی ملکیت پر مطمئن ہو جائے اور اس طرح خدا سے غافل ہو جائے اور اسے علائق دنیوی میں لذت محسوس ہونے لگے۔

جب آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے راہِ حق میں (جہاد کی تیاری کے لئے) مال طلب کیا تو حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنا تمام مال و اسباب بلکہ پورا اثاث البیت، حضور انور ﷺ کے قدموں میں لا کر رکھ دیا اور جب سرکار ابد قرار ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا "**ما ترکت لعیالك** ؟" (آپ نے اپنے عیال کے لئے کیا چھوڑا؟) تو اُس پیکر صدق وصفا اور عاشق روئے مصطفیٰ علیہ افضل التحیۃ والثناء نے کمال اطمینان قلب سے جواب میں عرض کی "**اللّٰہ و رسولہ ولی عند اللہ مزید** " یعنی اپنے عیال کی پرورش کے لیے اللہ اور رسول ﷺ کو چھوڑ آیا ہوں اور میرے لیے اللہ کے خزانے میں اس سے بھی زیادہ محفوظ ہے۔

پس اس جواب سے ثابت ہوا کہ حضرت صدیق اکبرؓ کو اللہ تعالیٰ پر کامل اعتماد تھا، اور یہ اعتماد کسی مادی شے میں نہیں تھا حق یہ ہے کہ اشیائے مادی کی ان کی نگاہ میں کوئی وقعت نہیں تھی، وہ تو اُس روحانی دولت پر مسرور اور مطمئن تھے جو اللہ کے پاس ہے (جس کو کبھی زوال نہ ہوگا)۔ اُنھوں نے مادیات سے قطع نظر کر لی اور یہ دیکھا کہ اس وقت میرا فرض کیا ہے؟ اور خلوص کے ساتھ اُس فرض کو ادا کیا اور چونکہ اللہ پر کامل ایمان اور اعتماد تھا اس لیے اپنا سب کچھ لا کر حضور انور ﷺ کے قدموں میں ڈال دیا اور اس طرح اللہ اور اس کے رسول کی نگاہوں میں وہ مرتبہ حاصل کر لیا جو کسی صحابیؓ کو نصیب نہ ہو سکا۔

اُن کے بعد حضرت عمرؓ اپنا نصف اثاثہ لے کر آئے۔ آنحضرت ﷺ نے اُن سے بھی وہی

بات دریافت فرمائی کہ اپنے عیال کے لئے کیا چھوڑ کر آئے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ اُن کیلئے نصف مال چھوڑ کر آیا ہوں اور میرے لیے اللہ کے پاس بہت کچھ ہے۔ ان کے بعد حضرت عثمانؓ آئے اور جیش عسرۃ کو سامان جنگ سے لیس کر دینے کے لیے وعدہ کیا اور اس کے علاوہ حضور انور ﷺ کے سامنے اشرفیوں کا ڈھیر لگا دیا۔

ان حضرات کے اس طرزِ عمل سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کی نگاہ میں، ان کے پاس جس قدر دولت تھی اُس کا مالک اللہ تھا اور یہ حضرات اپنے آپ کو اس کا امین سمجھتے تھے۔ ان حضراتؓ نے مدۃ العمر اللہ کے احکام کے لیے اپنی دولت سے دریغ نہیں کیا بلکہ مالک ہونے کے باوجود اپنی تمام دولت کو اللہ کی ملکیت سمجھا۔

یہی حضرات حضور اکرم ﷺ کی وفات کے بعد ائمہ ہدایت کے منصب پر فائز ہوئے چنانچہ جب حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے اور دنیا ان کے قدموں کے نیچے آ گئی تو بھی انہوں نے اس کے حصول پر کسی فخر و مباہات کا اظہار نہیں کیا۔ وہ حکمران ہونے کے باوجود فقیرانہ زندگی بسر کرتے رہے۔ ان کا لباس صرف ایک چادر تھا جسے اوڑھ کر کر ببول کے دو کانٹے لگا لیا کرتے تھے اور اسی وجہ سے ان کا لقب ''**ذوالخلالین**'' پڑھ گیا تھا۔ اسی طرح حضرت عمرؓ عرب، عراق، ایران، مصر اور شام کے حکمران ہونے کے باوجود، سالن کے بجائے روغن زیتون میں روٹی تر کر کے کھا لیا کرتے تھے۔ ان کے کُرتے میں بعض اوقات بارہ بارہ پیوند لگے ہوتے تھے۔ اور یہ حالت اس حال میں تھی کہ قیصر و کسریٰ کے خزانے ان کے قدموں میں تھے۔

یہی حال حضرت عثمانؓ کا تھا آنجنابؓ وہی لباس پہنتے تھے جو ان کے غلام پہنتے تھے۔ ایک دن لوگوں نے انہیں دیکھا کہ وہ اپنے باغ سے لکڑیوں کا گھٹا اُٹھائے چلے آ رہے ہیں۔ لوگوں نے اس کا سبب دریافت کیا تو اُنہوں نے کہا کہ میں اپنے نفس کا امتحان کر رہا ہوں کہ وہ یہ مشقت برداشت کرنے پر آمادہ ہے یا نہیں۔

ان شواہد سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ حضراتؓ صحیح معنوں میں اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر عامل تھے

ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول (ﷺ) پر اور اللہ نے جس دولت کا تمہیں وارث (مالک) بنایا ہے اس میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو (پس جو ایمان لائے اور جنہوں نے

اللہ کی راہ میں خرچ کیا اِن کیلئے اجرِ کبیر ہے)۔(7:57)

صدق فی الزھد:۔

واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کی مذمت فرمائی ہے اور اُسے ایسے ناموں سے یاد فرمایا ہے کہ اس سے پہلے کسی نے اسے ایسے ناموں سے یاد نہیں کیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اعلموا انما الحیوۃ الدنیا لعب ولھو و زینۃ وتفاخر بینکم و تکاثر فی الاموال والاولاد (۵۷۔۲)

''جان لو کہ دنیا کی زندگی محض کھیل، تماشا اور زینت ہے اور آپس میں فخر کرنا ہے اور مال و اولاد میں ایک دوسرے پر کثرت چاہنا ہے''۔ پس کیا وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں علم رکھتا ہے، اس بات سے شرمندہ نہیں ہوگا کہ اللہ اُسے اس چیز سے لطف اندوز ہوتے ہوئے دیکھے جو اس دارالغرور (دھوکے کے گھر) میں محض کھیل تماشا ہے؟

عقلاء اور عرفاء بخوبی جانتے ہیں کہ دنیا سے درحقیقت نفس اور اس کی خواہش مُراد ہیں۔ اس کا ثبوت اس آیت سے مل سکتا ہے:۔

زین للناس حب الشھوت من النساء والبنین والقناطیر المنطرۃ من الذھب والفضۃ والخیل المسومۃ والانعام والحرث۔ ذلک متاع الحیوۃ الدنیا واللّٰہُ عندہ حسن الماب۔(۳:۱۴)

''لوگوں کو نفسانی خواہشات کی محبت بھلی معلوم ہوتی ہے جیسے عورتیں اور بیٹے اور سونے اور چاندی کے ڈھیر اور پالتو گھوڑے اور مویشی اور کھیتی باڑی۔ یہ سب صرف اس دنیا کی زندگی کا سامان ہے لیکن اللہ کے پاس اس سے بہتر ٹھکانا ہے''۔

اِس آیت سے ثابت ہوا کہ مرغوبات دنیا کو اپنی زندگی کا مقصد بنانا، انسان کیلئے مفید نہیں ہے بلکہ اللہ کی رضا کو مدنظر رکھنا مفید ہے۔ یہ سب چیزیں جن کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا، نفس کی خواہشات اور لذات ہیں اور ان چیزوں کی وجہ سے، نفس انسانی، آخرت کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے۔ پس جب ایک شخص مرغوباتِ نفس کو ترک کر دیتا ہے تو گویا وہ دنیا کو ترک کر دیتا ہے۔

اس بات کو خوب سمجھ لو کہ یہ بات ممکن ہے کہ ایک شخص غریب اور مفلس ہو اس کے باوجود وہ

دنیا کا حریص ہو اور اس کی لذات کا طالب ہو۔لہٰذا اللہ کی نگاہ میں ایسا آدمی حریص ہے اور طالب دنیا ہے۔

زُہد کا پہلا درجہ یہ ہے کہ خواہشات نفسانی کی اتباع کو ترک کیا جائے۔جب کسی انسان کی نگاہ میں اس کا نفس ذلیل ہو جاتا ہے۔تو پھر وہ اس کی پروا نہیں کرتا کہ میرے پاس دولت ہے یا نہیں؟ وہ ہر حال میں اللہ کی رضا طلب کرتا ہے اور اسی میں اِسے لذت حاصل ہوتی ہے۔چنانچہ وہ بخوشی اپنے نفس کی مخالفت کرتا ہے اور اِسے شہوت،لذت، سیر و تفریح، دوستوں اور محبوبوں کی صحبت سے باز رکھتا ہے بلکہ ہر ایسے کام سے بچتا ہے جو اسے اللہ سے غافل کر دے۔

اِس کے بعد وہ صرف اُن چیزوں پر قناعت کرتا ہے جو اس کی زندگی کیلئے اشد ضروری ہیں اور اپنی خواہشات کے دائرے کو محدود کر دیتا ہے۔غذا، لباس، مکان، نیند، گفتگو وغیرہ میں محتاط ہو جاتا ہے۔دنیاوی راحتوں اور نفس کی خواہشوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتا اور اس بات کو مدنظر رکھتا ہے کہ مبادا یہ دنیا اس کی نگاہوں میں مرغوب ہو جائے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ ”یہ دنیا بہت دلکش ہے“ اسی لیے وہ ہمیشہ یاد رکھتا ہے کہ یہ دنیا اور اس کی لذتیں سب فانی ہیں اسی لیے وہ اس سے اپنی امیدیں وابستہ نہیں کرتا۔وہ اپنی موت کو ہمیشہ یاد رکھتا ہے اور آخرت کا آرزومند رہتا ہے جو ہمیشگی کا گھر ہے۔وہ اُس دنیا(عقبیٰ) کی نعمتوں کے حصول میں کوشاں رہتا ہے۔یہ زُہد کی پہلی منزل ہے۔

حضرت سفیان ثوریؒ، وقیع ابن الجراحؒ، امام احمد ابن حنبلؒ اور دوسرے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ زُہد کا مفہوم یہ ہے کہ انسان اپنی امیدوں اور تمناؤں کو کم سے کم کر دے اور حکماء نے بھی یہی کہا ہے کہ جب ایک آدمی اپنی امیدیں قلیل کر دیتا ہے تو غفلت کے دام سے رہا ہو جاتا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے ایک دن حضرت حارثہؓ سے دریافت کیا کہ آج تم نے کس حال میں صبح کی؟ انہوں نے جواب دیا ”یا رسول اللہ (ﷺ) آج میں نے ایک سچے مومن کی حالت میں صبح کی“۔آنحضرت (ﷺ) نے دریافت فرمایا ”تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ کیونکہ ہر شے کی ایک حقیقت ہوا کرتی ہے“۔انہوں نے جواب دیا یا رسول اللہ (ﷺ)! ”میں نے اس دنیا سے قطع نظر کر لی ہے۔میں نے دن میں بھوک پیاس برداشت کی (روزہ رکھا) رات کو قیام

کیا(تہجد کی نماز پڑھی)۔ میں نے قیام کے دوران میں ایسا محسوس کیا گویا عرشِ الٰہی میرے سامنے ہے ،اہل جنت خوشیاں منارہے ہیں اوراہل دوزخ فریاد کررہے ہیں!''یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا''تم ایسے مومن ہوجس کے دل کواللہ نے منور کردیا ہے ۔یہ حالت بہت مبارک ہے۔تم نے ایمان کی حقیقت جان لی۔اس پر قائم رہو!''

ایک عالم دین کا قول ہے کہ زاہد وہ ہے جس کے دل سے دنیاوی چیزوں کی قدر و قیمت زائل ہوجائے ۔واضح ہو کہ دنیاوی معاملات میں زُہد ایک بہت نازک اور مخفی مسئلہ ہے ۔جس درجے میں کسی انسان کو معرفت الٰہیہ حاصل ہے اس کا زُہد بھی اسی درجے کا ہوگا۔اگر ایک شخص دنیاوی اشیاء کی محبت اپنے دل سے بتدریج کم کرتا ہے تا کہ وہ یہ دیکھ سکے کہ زُہد اسے کس مقام پر لے جائے گا یا اگر ایک شخص خواہشات نفسانی کا مقابلہ کرنے میں کمزوری کا اظہار کرتا ہے تو دونوں صورتوں میں زُہد کے مقام پر فائز نہ ہو سکے گا اور اس کے دل میں آخرت کا شوق کبھی پیدا نہ ہو سکے گا۔

ایک عالم کا قول ہے کہ اصلی زاہد وہ شخص ہے جس کی نگاہ میں یہ دنیا نہ نفرت کے لائق ہے نہ محبت کے ،اور جب اسے مل جائے تو وہ خوش نہیں ہوتا اور جب چلی جائے تو رنجیدہ نہیں ہوتا۔ دوسرے عالم نے یہ کہا ہے کہ آدمی اس وقت زُہد کے مقام پر پہنچتا ہے جب سونا اور پتھر دونوں اس کی نگاہ میں یکساں ہوجائیں اور ایسا نہیں ہوسکتا ،جب تک اللہ کی طرف سے کوئی آیت (نشانی) اس کے پاس نہ آجائے ۔اس وقت اس میں یہ طاقت پیدا ہوجاتی ہے کہ وہ پتھر کو سونے میں اور سونے کو پتھر میں تبدیل کرسکتا ہے ۔اس قوت کا ثمرہ یہ ہے کہ پھر صحیح معنوں میں سونا اور پتھر دونوں اس کے لیے یکساں ہوجاتے ہیں ۔اور سونے کی محبت اس کے دل سے نکل جاتی ہے ۔

زُہد کے مقاصد مختلف ہیں ۔بعض زاہدوں نے زہد اس لیے اختیار کیا کہ وہ اپنے دل کو دنیاوی اشیاء کی محبت سے فارغ کرسکیں اور اللہ کی یاد میں مشغول ہوسکیں ۔انہوں نے اپنے دل کو تمام مشاغل سے فارغ کرلیا تا کہ ایک مقصد پر اپنی توجہ مرکوز کرسکیں یعنی اطاعت احکام الٰہیہ۔پس اللہ ان کے لیے کافی ہوگیا ۔ابن ماجہ میں آنحضرت ﷺ سے مروی ہے کہ آپ (ﷺ) نے فرمایا: جس نے اپنے تمام **ھموم** (افکار) کو ھم واحد (بس ایک ہی غم یا فکر) بنالیا تو اللہ اس

کے تمام امور کے لئے کافی ہوجائے گا۔ (بخاری و مسلم)

بعضوں نے زُہد اس لیے اختیار کیا کہ اپنے بوجھ (علائق) کو ہلکا کر سکیں تا کہ منازل سلوک بہ آسانی طے کر سکیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "قیامت کے دن وہ لوگ جو دنیا میں بڑے مرتبے والے ہیں، چھوٹے مرتبے والے کر دیے جائیں گے سوائے اُن لوگوں کے جنہوں نے اپنی دولت اس دنیا میں اللہ کے بندوں میں تقسیم کر دی ہوگی"۔ نیز آپ (ﷺ) نے فرمایا "قیامت کے دن ہر شخص جو اس دنیا میں امیر تھا، یہ آرزو کرے گا کہ کاش مجھے دنیا میں اسی قدر ملتا جو میری قوت لا یموت کے لیے کافی ہوتا"۔ حضرت ابو ذر غفاریؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر میرے پاس کوہ اُحد کے برابر بھی سونا ہو تو میں یہ پسند نہیں کروں گا کہ تہائی رات گذر جائے اور اس میں سے کچھ بھی میرے پاس باقی رہے"۔

بعضوں نے اس لیے زُہد اختیار کیا کہ وہ جنت کے شائق تھے، اور نعمائے جنت کے تصور سے ان کو تسکین حاصل ہوتی تھی۔ بعض احادیث میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ جو لوگ زُہد اختیار کریں گے تو میں ان کو جنت عطا کروں گا۔ نیز ایک عالم کا قول ہے کہ زُہد کے بغیر قراءت میں کوئی خیر و خوبی نہیں۔

واضح ہو کہ زُہد کے اعلیٰ مقامات اُن لوگوں کو حاصل ہوئے جنہوں نے اللہ کی محبت میں اس کی رضا سے موافقت پیدا کر لی، یعنی اپنی مرضی کو اس کی مرضی میں فنا کر دیا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو چکی تھی اور وہ اس حقیقت سے آگاہ ہو گئے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کی مذمت فرمائی ہے اور اس کی سخت تحقیر کی ہے اور یہ کہا ہے کہ یہ دنیا میرے دوستوں کے رہنے کی جگہ نہیں ہے۔ انہیں اس بات سے شرم آتی تھی کہ اللہ انہیں دنیا کی طرف مائل پائے۔ انہوں نے دنیا سے قطع تعلق (تبتل) کو اپنے لیے فرض قرار دیا اور اللہ سے اس کا کوئی معاوضہ یا صلہ طلب نہیں کیا یعنی محض اس کی رضاء کے لیے زُہد اختیار کیا۔ انہوں نے خلوص کے ساتھ رضائے الٰہی سے موافقت کی اور اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کے اجر کو کبھی ضائع نہیں کرے گا۔

جو لوگ اللہ کی مرضی سے موافقت کرتے ہیں وہی درحقیقت سب سے زیادہ عقل مند ہیں۔ حضرت ابو الدرداءؓ سے روایت ہے کہ عقل مند لوگوں کا سونا اور جاگنا کس قدر مبارک ہے! جو

لوگ غافل ہیں ان کے پہاڑ کے برابر اعمال کے مقابلے میں عقل مندوں کا ایک ذرے کے برابر عمل اللہ کی نگاہ میں زیادہ وزنی اور قیمتی ہے۔

نقل ہے کہ ایک مرتبہ حضرت صدیق اکبرؓ نے پینے کے لئے پانی طلب کیا۔ ایک شخص پیالے میں پانی لایا۔ جب انہوں نے ایک گھونٹ پی لیا تو پیالہ ایک طرف رکھ دیا اور رونے لگے۔ لوگوں نے سبب پوچھا تو اُنہوںؓ نے فرمایا ''ایک دن میں نے حضور انور ﷺ کو دیکھا کہ آپ (ﷺ) اپنے ہاتھ سے کسی چیز کو اپنے پاس سے ہٹا رہے ہیں مگر مجھے کوئی چیز نظر نہ آئی۔ میں نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ حضور کسی چیز کو ہٹا رہے ہیں مگر مجھے وہ چیز نظر نہیں آتی یہ کیا ماجرا ہے؟ آپ (ﷺ) نے فرمایا ''اس وقت دنیا بڑی دلفریب شکل میں میرے سامنے آئی تھی اور مجھ سے کہتی تھی کہ میں اس لئے آئی ہوں کہ آپ (ﷺ) مجھے قبول فرمائیں۔ یہ سن کر میں نے کہا اے دنیا تو مجھے فریب نہیں دے سکتی۔ یہ کہہ کر میں نے اِسے ہٹا دیا''۔ یہ قصہ بیان کرنے کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ اس وقت مجھے وہ بات یاد آ گئی کیونکہ اس پانی میں قدرے شہد ملا ہوا ہے تا کہ مجھے لذت حاصل ہو، لہٰذا اس خیال سے مجھ پر گریہ طاری ہو گیا کہ مبادا میں دنیا کی طرف مائل ہو جاؤں''۔

احادیث میں وارد ہے کہ اصحاب محمد (ﷺ) نہ تو حصولِ لذت کیلئے کھاتے تھے اور نہ حصولِ مسرت کیلئے پہنتے تھے۔ نیز یہ کہ جب آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد دنیاوی دولت اور حشمت صحابہؓ کے قبضے میں آئی اور قیصر و کسریٰ کے خزانے اُن کے قدموں میں آن پڑے تو ان میں سے اکثر پر گریہ طاری ہو گیا۔ وہ اکثر اوقات بہت رنجیدہ ہو کر کہتے تھے کہ ہم ڈرتے ہیں کہیں ہم دنیا کی محبت میں گرفتار نہ ہو جائیں۔ بعض اوقات وہ یہ کہہ کر آبدیدہ ہو جاتے تھے'' کہیں ہمارے نیک اعمال کا بدلہ اس سلطنت اور دولت کی صورت میں ہمیں یہیں تو نہیں مل گیا''۔

لہٰذا انسان کیلئے لازم ہے کہ وہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرے اور ہر حال میں عدل کو ملحوظ رکھے، سلفِ صالحین کا نمونہ اپنے لئے مشعلِ ہدایت بنائے، ہر وقت اپنی کوتاہیوں کا اعتراف کرتا رہے اور اللہ تعالیٰ سے نیکی اور راستی کی توفیق طلب کرتا رہے۔

اسلامی دُنیا میں تعلیم اور سائنس، ایک فسانۂ عبرت

(سہیل یوسف)

پوری دُنیا کی 20فیصد آبادی پر مشتمل اُمتِ مسلمہ آج ہر طرح کی ذلت و رسوائی کا شکار ہے۔ بہترین جغرافیائی محلِ وقوع اور وسائل سے مالا مال ہونے کے باوجود بھی اسلامی دنیا کی عالمی حیثیت صفر سے زیادہ نہیں ہے۔ ماضی میں شاندار اور لازوال علمی و سائنسی کارنامے انجام دینے والی قوم آج تقلید اور تحقیق دونوں سے ہی دامن چھڑا چکی ہے۔ آج ''پدرم سلطان بود'' کے مصداق ہمارے دامن میں ماضی پرستی کے علاوہ کوئی اور وجہِ افتخار نہیں ہے۔ دنیا کی بڑی جامعات میں سے کوئی ایک بھی کسی اسلامی ملک میں موجود نہیں ہے۔ امریکہ کے مشہور سائنسی ادارے ''میساچیوسیٹس انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی'' (ایم آئی ٹی) کے نمائندہ جریدے ''ٹیکنالوجی ریویو'' نے مئی 2004ء کے اپنے شمارے میں ایجادات کے حوالے سے خصوصی موضوعات کے علاوہ ''ایجادات کا عالمی نقشہ'' بھی شائع کیا ہے۔ اس نقشے میں جدید ترین ایجادات کی دوڑ میں شریک مختلف ممالک کی بحوالہ پیٹنٹ درجہ بندی کی گئی ہے۔

دنیا بھر میں نصف سے زائد ایجادات اور اختراعات کے حوالے سے امریکہ پہلے نمبر پر ہے۔ حیرت انگیز طور پر یورپ کا ایک چھوٹا سا ملک فِن لینڈ، اس دوڑ میں دوسرے نمبر پر ہے۔ برطانیہ نمبر تین، جاپان نمبر چار، جرمنی نمبر پانچ، سنگاپور نمبر چھ، سویڈن نمبر سات، ڈنمارک نمبر آٹھ، سوئزر لینڈ نمبر نو اور فرانس دسویں نمبر پر ہے، جبکہ اسلامی دنیا ممالک میں سب سے اوپر ملائیشیا ہے جو 35ویں نمبر پر ہے۔ ترکی 54ویں اور مصر 55ویں نمبر پر ہے۔ اس پوری فہرست میں لے دے کر یہی تین اسلامی ممالک ہیں جن پر ہم تھوڑا بہت فخر کر سکتے ہیں۔

اب اس تصویر کا دوسرا رُخ دیکھتے ہیں۔ تیل کی دولت سے مالا مال متحدہ عرب امارات اور سعودی عرب کے آگے NR لکھا ہوا ہے، جس مطلب یہ ہے کہ یہ ممالک کسی گنتی میں نہیں ہیں۔ اسی طرح پاکستان، افغانستان، ایران، وسط ایشیا کے اسلامی ممالک اور تمام افریقی اسلامی ممالک بھی کسی گنتی میں شامل نہیں ہیں۔ اب ہم بالخصوص عرب ممالک کا تذکرہ کریں گے۔ اقوام متحدہ کے ترقیاتی پروگرام (UNDP) نے دو سال پہلے مشرقِ وسطٰی میں انسانی وسائل اور افرادی

قوت کے متعلق پہلی تفصیلی رپورٹ شائع کی ہے۔اس رپورٹ میں عرب دنیا کے سیاسی، سماجی، معاشی، علمی اور سائنسی پہلوؤں پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔اس رپورٹ کو عرب ماہرین کے تعاون سے تیار کیا گیا ہے۔

اس مضمون میں رپورٹ سے صرف وہی نکات پیش کیے جا رہے ہیں، جو عرب دنیا کے علمی اور سائنسی حالت زار سے بحث کرتے ہیں، جنہیں پڑھ کر پیروں تلے زمین سرک جاتی ہے۔ مغربی ذرائع ابلاغ نے عرب دنیا کی جدید علوم میں پس ماندگی کو ''بھیانک صورت حال'' اور'' خوفناک امر'' سے نوازا ہے۔حیرت انگیز بات یہ ہے کہ عرب دنیا کے کسی اخبار نے اس رپورٹ میں کوئی دلچسپی نہیں لی۔اس مضمون میں یو این ڈی پی کی رپورٹ کے مندرجات کو بغیر کسی اضافے اور ترمیم کے پیش کیا جا رہا ہے۔

عرب دنیا 22 ممالک پر مشتمل ہے اور ان کی مجموعی آبادی 28 کروڑ کے لگ بھگ ہے۔یہ دنیا کی کل آبادی کا 5 فی صد ہے، جب کہ دنیا میں تیل کی بڑی مقدار انکے قدموں تلے موجود ہے۔بہترین جغرافیہ، بندرگاہوں اور تیل کی دولت سے مالا مال ہونے کے باوجود گزشتہ 20 سال میں یہاں کی فی کس آمدنی دنیا بھر میں سب سے کم رہی ہے۔ماسوائے افریقا کے ذیلی صحارا خطے کے چند ممالک کے، جن سے ان کی آمدنی تھوڑی سی زیادہ ہے۔نمو کی شرح اوسطاً 0.5 فی صد سالانہ ہے۔اگر مستقبل میں یہی صورت حال برقرار رہی تو اگلے 140 برس میں یہاں فی کس آمدنی دوگنی ہونے کے امکانات ہیں جب کہ دیگر ترقی یافتہ خطوں میں 10 برس کے اندر فی کس آمدنی کی شرح دوگنی ہو جائے گی۔

اب عرب دنیا میں پیداواری افرادی قوت کے متعلق چند حقائق ملاحظہ کیجئے۔

یہاں 1960ء سے 1990 کے دوران اوسط پیداوار 0.2 فی صد سالانہ کی شرح سے کم ہوئی ہے۔1960ء میں ایشیائی ٹائیگر مثلاً کوریا اور تائیوان وغیرہ کے مقابلے میں عرب ممالک کی فی کس آمدنی زیادہ تھی مگر اب ان ممالک کے نصف رہ گئی ہے۔اب حال یہ ہے کہ پانچ میں سے ایک عرب روزانہ 2 ڈالر بھی نہیں کماتا۔لیکن چند ممالک خاصے دولت مند ہیں۔تاہم رپورٹ میں انہیں دولت مند کہا گیا ہے، ترقی یافتہ نہیں۔گویا وہ امیر اور ترقی پذیر ہیں۔رپورٹ کے مطابق عرب ممالک نے تعلیم کے شعبے پر توجہ دی ہے۔1960ء میں یہاں 60 فی صد

ناخواندگی تھی جو 1990ء کے عشرے میں گھٹ کر 43 فی صد تک رہ گئی۔اب بھی یہاں ساڑھے چھ کروڑ افراد ناخواندہ ہیں اوران میں دو تہائی تعداد خواتین کی ہے۔

عرب ممالک کی آبادی میں 38 فی صد افراد کی عمر 14 سال تک ہے۔اس رپورٹ کی تدوین میں نوجوان نسل سے بھی رابطہ کیا گیا جن کی اکثریت نے تعلیم اور روزگار جیسے شعبوں کے متعلق اپنی پریشانی کا اظہار کیا۔ 45 فی صد نوجوان افراد نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ اپنا ملک چھوڑنا چاہتے ہیں۔عرب دنیا میں فرسودہ تعلیم اور ناخواندگی نمایاں ہے۔یہاں سائنسی تحقیق و ترقی بہت کم زور ہے۔انٹرنیٹ اور دیگر مواصلاتی ٹیکنالوجیز سے استفادہ بھی نہ ہونے کے برابر ہے۔اس وقت عرب دنیا سائنس وٹیکنالوجی جیسے اہم شعبے پر جتنی رقم خرچ کر رہی ہے وہ دنیا بھر میں خرچ کی جانے والی اوسط رقم کا ساتواں حصہ ہے۔1996ء میں عرب ممالک میں سائنس و ٹیکنالوجی پر مجموعی قومی پیداوار کا صرف 0.5 فی صد خرچ کیا جارہا تھا۔جبکہ اسی سال کیوبا 1.26 فی صد اور جاپان 2.9 فی صد رقم خرچ کررہے تھے۔اسلامی ممالک کے وزراء کا سائنسی وفنیاتی کمیشن (کومسٹیک) آج تک مطالباتِ زر کے چکر سے باہر نہیں نکل سکا۔متمول اسلامی ممالک عیش وعشرت پر اربوں ڈالر خرچ کر دیتے ہیں جبکہ سائنسی منصوبوں کیلئے ان کے پاس چند لاکھ ڈالر بھی نہیں ہوتے۔

انگریزی سے ناواقفیت کی بناء پر عرب دنیا میں انٹرنیٹ استعمال کرنے کی شرح بہت کم ہے بلکہ یوں کہیے کہ عرب ممالک پوری دنیا میں سب سے پیچھے ہیں۔دوسری جانب عربی زبان میں ویب سائٹ کی تیاری پر بھی کوئی خاص توجہ نہیں دی جارہی ہے۔انٹرنیٹ جیسے انقلابی ذرائع ابلاغ پر عدم توجہی کی بناء پر عرب ممالک اور ترقی یافتہ ممالک کے درمیان ڈیجیٹل تقسیم (Digital Divide) بڑھتی جارہی ہے۔اعلیٰ تعلیم یافتہ اور ہنرمند افراد بڑی تیزی سے ترقی یافتہ ممالک کا رُخ کر رہے ہیں۔ذہانت کے اس فرار سے عرب ممالک کو زبردست نقصان اُٹھانا پڑ رہا ہے۔

اب اس سے زیادہ دردناک صورت حال ملاحظہ کیجئے۔پوری عرب دنیا میں نئے علوم وفنون پر نئی تحریروں کا شدید فقدان ہے۔سائنس وٹیکنالوجی پر نئی کتابوں کی اشاعت نہ ہونے کے برابر ہے، جبکہ پوری دنیا میں ہر سال تقریباً دس لاکھ تحقیقی مقالے اور لگ بھگ ایک لاکھ سے زائد سائنسی کتب شائع ہورہی ہیں۔عربی سے اہمیت کی بناء پر اس زبان میں مضامین اور سائنسی کتب

کا ترجمہ ہونا چاہیے تھا۔ 2001ء میں تمام 22 عرب ممالک نے سائنس وٹیکنالوجی اور دیگر جدید علوم پر صرف 330 کتابیں ترجمہ کیں۔ اگر اس تعداد کو 22 پر تقسیم کیا جائے تو گویا ایک سال میں ایک ملک نے صرف 15 کتب ترجمہ کیں، جب کہ یورپ کے اوسط ملک یونان نے اسی مدّت میں پوری عرب دنیا سے 5 گنا زائد سائنسی کتب ترجمہ کی ہیں۔ یورپ کے ایک اور معمولی ملک اسپین نے سال 2001 میں جتنی کتب ترقی یافتہ زبانوں سے ہسپانوی زبان میں ترجمہ کیں، اتنی کتب گزشتہ ایک ہزار سال میں بھی پوری عرب دنیا نے ترجمہ نہیں کیں!

عرب ممالک قدرتی ذرائع سے مالامال ہیں مگر جب اس کی آمدنی کی دوبارہ عرب ممالک میں سرمایہ کاری کی گئی تو خاطر خواہ نتائج برآمد نہیں ہوئے۔ 1999ء میں تمام عرب ممالک کی مجموعی قومی پیداوار کا حجم 531.2 ارب ڈالر تھا، جبکہ اسی سال اسپین کی مجموعی قومی پیداوار ان تمام ممالک سے زیادہ (595.5 ارب ڈالر) تھی۔ اگرچہ انسانی وسائل کے لحاظ سے کویت سب سے بہتر ہے لیکن یہ ملک کینیڈا سے کہیں پیچھے ہے۔

افسوس ناک بات یہ ہے کہ عرب دنیا نے ارزاں اور عام دست یاب ٹیکنالوجیز سے بھی کوئی فائدہ نہیں اُٹھایا۔ انفارمیشن اور کمپیوٹر ٹیکنالوجی کی آمد سے عرب عوام، خصوصاً خواتین ایک اہم پیداواری شریک بن سکتی تھیں لیکن یہ نہ ہوسکا۔ رپورٹ میں یہ واضح عندیہ دیا گیا ہے کہ عرب دنیا کے مستقبل کی بقاء صرف اسی صورت میں ہے کہ وہ ٹیکنالوجی کو ترقی اور مادی خوش حالی کیلئے استعمال کرے۔ عرب دنیا میں صرف 1.2 فی صد آبادی کے پاس کمپیوٹر ہے اور ان میں سے بھی نصف افراد انٹرنیٹ تک رسائی رکھتے ہیں۔ اگرچہ عرب ممالک نے کاروبار کو ٹیکنالوجی کی مدد سے فروغ دینے کی سعی کی ہے، مثلاً تیل کی کشید اور پروسیسنگ کے کویتی مراکز، سعودی عرب میں نمک ربائی (ڈی سالینیشن) کے پلانٹس اور مصر میں چینی کے کارخانے وغیرہ لیکن انہیں مزید فروغ و وسعت دینے کی ضرورت ہے، فی الحال عرب ممالک صرف خریدار بن کر صنعتی ترقی کے آخری سرے پر بیٹھے ہیں۔ دنیا بھر کی جدید ترین مصنوعات سے ان کے بازار اٹے پڑے ہیں۔

1980ء کے عشرے میں عرب دنیا تعلیم کے شعبے میں ترقی یافتہ ممالک کے مقابلے میں اپنے ایک باشندے پر 10 فیصد کم اخراجات کر رہی تھی۔ 1995ء میں یہ صرف 20 فیصد تک جا

پہنچا تھا۔ضرورت اس امر کی ہے کہ عرب دنیا بڑی تعداد میں موجود نوجوان نسل کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھائے، دوسری جانب پرائمری اسکولوں میں 100 فی صد بچوں کے داخلوں کو یقینی بنانے کی ضرورت ہے۔

اقوام متحدہ کی رپورٹ میں عرب دنیا میں 3 اہم عوامل کی کمی کو شدت سے محسوس کرتے ہوئے ان میں مثبت تبدیلی پر زور دیا گیا ہے، اول تحریر اور اظہار کی آزادی، دوم، حکومتی اور دیگر اہم اداروں میں خواتین کی مناسب نمائندگی اور تیسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ جدید علوم سے لیس مناسب افرادی قوت تیار کی جائے۔

ممتاز مصنف، فرانسس گالز نے مشہورہ ہفت روزہ سائنسی جریدے "نیچر" کی 24 مارچ 1983ء کی اشاعت میں مسلم سائنس کے متعلق لکھا تھا۔ "تقریباً ایک ہزار سال قبل اسلامی دنیا نے سائنس میں قابل قدر ترقی کی تھی، خاص طور پر ریاضی اور طب میں اپنے دور کے عروج میں بغداد اور جنوبی ہسپانیہ میں جامعات قائم کی گئیں اور ان سے ہزاروں، لاکھوں لوگ فیض یاب ہوئے۔ حکمران سائنس دانوں اور اہل ہنر افراد کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ آزادی کی اس فضا میں دیگر مذاہب کے لوگ بھی مل کر کام کیا کرتے تھے۔ آج یہ سب قصہ پارینہ سے زیادہ کچھ نہیں ہے"۔

اسلامی دنیا میں کئی مرتبہ بھاری رقوم خرچ کرنے کے باوجود بھی خاطر خواہ نتائج حاصل نہ ہو سکے۔ اس کی ایک مثال پاکستان میں "اقرا سرچارج" کی ہے۔ اس مد میں کروڑوں اربوں روپے جمع کیے گئے۔ لیکن وہ رقم کن منصوبوں پر خرچ کی گئی؟ کوئی نہیں جانتا۔ مصر میں 2 کروڑ ڈالر کی خطیر رقم خرچ کر کے بھاری بھرکم ویکیوم ٹیوبس بنانے کا کارخانہ اُس وقت لگایا گیا، جب پوری دنیا میں ٹرانسسٹر کا استعمال بڑھ رہا تھا۔ ٹرانسسٹر تجارتی پیمانے پر تیار ہو کر بازار میں عام دستیاب ہونے لگے تھے۔ یہ کارخانہ یقیناً بیرونی مشوروں سے قائم کیا گیا تھا، جو مصری حکام نے بلا سوچے سمجھے مان لیے تھے۔ وہ سائنس کی ترقی سے نابلد تھے اور ٹھنڈے دل سے غور کرنے سے قاصر تھے۔

اُمتِ مسلمہ میں سائنس و ٹیکنالوجی کی ترقی کیلئے ضروری ہے کہ سائنس دانوں کو کام کرنے

کی آزادی، مناسب سہولتیں اور وقت دیا جائے۔ احیاء کی منزل راتوں رات حاصل نہیں کی جا سکتی۔ بقول ڈاکٹر سلیم الزماں صدیقی مرحوم ''سائنس کی ترقی کیلئے پیسے اور صبر کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک جانب سے پیسا ڈالا جائے اور دوسری جانب سے منافع نکال لیا جائے''۔

ممتاز ماہر سی پی سنو کہتے ہیں: ''سائنس و ٹیکنالوجی انسانی علوم کے وہ گوشے ہیں، جنہیں با آسانی سیکھا جا سکتا ہے۔ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ کوئی ملک یا قوم سائنس سیکھنے یا سکھانے کی صلاحیت کے اعتبار سے دوسروں سے کمتر ہو''۔

تاریخ نے ایک وقت وہ بھی دیکھا کہ جاپانی گھوڑے کی نعل تک بنانا نہیں جانتے تھے۔ 1870ء میں شہنشاہ میجی نے حلف اُٹھایا اور دوسروں سے بھی اٹھوایا کہ علم جہاں بھی ہوگا، اس سے فائدہ اٹھا کر جاپان کی تعمیر و ترقی کیلئے استعمال کیا جائے گا۔ آج وہی جاپانی قوم لاکھوں ٹرانسسٹرز پر مشتمل ایسے سرکٹ تیار کررہی ہے جو سوئی کے سرے پر موجود سوراخ سے گزارے جا سکتے ہیں!

اب ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلامی ممالک ''دولت مشترکہ برائے سائنس'' کے قیام کی جدوجہد کریں۔ علوم جدیدہ کے اعلیٰ ترین ادارے قائم کریں اور افرادی قوت کی تربیت کا سامان کریں۔ ورنہ وہ وقت آنے والا ہے کہ ہمیں ٹوتھ پیسٹ اور بوٹ پالش بنانے کی ٹیکنالوجی بھی نہیں ملے گی۔

علم کی سچی تڑپ، لگن اور مستقل مزاجی سے ہی ہم اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کر سکتے ہیں۔ یاد رکھیے کہ ترقی اور مادی خوش حالی کے تمام راستے سائنس و ٹیکنالوجی کی شاہراہ سے گزرتے ہیں۔ یہ پسماندگی اور اندھیرا ہمارا مقدر نہیں ہے۔ اب بھی وقت ہے کہ ہم خود کو بہتر بنا کر اپنا مقام دوبارہ حاصل کر سکتے ہیں۔ اب الیفر ڈ نارتھ وائٹ ہیڈ کے اس قول کو پڑھیے جو قوموں کے عروج و زوال کو بیان کرتا ہے۔ اس نے کہا تھا ''جس نسل کو ترقی کی قدر نہیں ہوگی وہ ختم ہو جائے گی''۔

(بشکریہ روزنامہ ''جنگ'' 25-4-04)

مکافات عمل

(ڈاکٹرعبدالغنی فاروق)

کرو مہربانی تم اہل زمیں پر
خدامہرباں ہوگا عرشِ بریں پر

قرآن پاک ہراعتبار سے ایک معجزاتی کتاب ہے اور چونکہ یہ براہ راست خالق کائنات کا کلام ہےاس لئے اس کےفرمودات محکم اوراٹل ہیں اورریاضی کےکلیوں کی طرح ٹھوس نتائج کے حامل ہیں ۔اس ضمن میں ایک آیت مقدس ہے۔

وَ اَمَّامَایَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ ۔(سورہ رعدآیت ۱۷)

یعنی جوچیز بھی انسانوں کے لئے نفع بخش ثابت ہوتی ہےاللہ اُسےمضبوطی سے زمین میں گاڑھ دیتا ہے ۔بالفاظ دیگراسے دوام حاصل ہوجاتا ہےاوروہ چیز خیروبرکت کا ذریعہ بن جاتی ہے ۔قرآن پاک کےاس قول فیصل کے حوالے سے متعدد واقعات میرے پیش نظر ہیں جو معلومات اور ازدیاد ایمان کی خاطر قارئین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں:۔

(1)

چوہدری علی محمد بدرمیرے جاننے والے ہیں ۔بزرگ آدمی ہیں ۔علامہ اقبال ٹاؤن لاہور میں رہتے ہیں ۔اُن کا بڑا بیٹا سمال بزنس کارپوریشن میں افسر تھااوراس حیثیت سے وہ کئی سال تک گلگت میں تعینات رہا۔چوہدری صاحب چونکہ ریٹائرمنٹ کی زندگی گزارر ہے تھےاور فارغ تھےاس لئے وہ گرمیوں کا ساراعرصہ اپنے بیٹے کے پاس گلگت میں گزارا کرتے تھے۔

اُنہوں نے مجھے یہ واقعہ سنایا کہ وہاں اُن کا تعارف معراج عالم نامی ایک صاحب سے ہوا جو بڑے زمیندار تھےاور پاکیزہ دینی زندگی گزارر ہے تھے ۔اُس زمیندار نے چوہدری حیدرعلی قمر کو بتایا کہ چند سال قبل اُن کی ایک ٹانگ کی پنڈلی پرایک پھوڑانکل آیا جو کسی بھی علاج سے ٹھیک نہ ہوااور پھیلتا چلا گیا۔حتیٰ کہ اسلام آباد کےایک اعلیٰ درجے کےہسپتال کے ڈاکٹروں نے بھی اسے لاعلاج قراردے دیااور بتایا کہ ٹانگ کاٹنے کے سوا کوئی چارہ کارنہیں ،ورنہ زندگی خطرے

میں پڑ جائے گی۔ اس کے لئے ہسپتال کے سرجنوں نے آپریشن کی تاریخ دے دی اور انہیں ہسپتال میں داخل کرلیا۔

مذکورہ زمیندار نے بتایا کہ حتمی طور پر جب یہ طے پا گیا کہ میری ٹانگ کاٹ دی جائے گی اور مجھے ہسپتال میں داخل کرلیا گیا تو اُس روز میرے پاس پچھتر ہزار روپے تھے۔ میں نے ہسپتال کے نچلے درجے کے ملازموں کو یعنی چپراسیوں، صفائی کرنے والوں اور مالیوں، بیلداروں کو بلالیا اور ساری کی ساری رقم ان میں تقسیم کردی۔

آپریشن والا دن آیا، تو آخری مرتبہ ڈاکٹروں کا پینل بیٹھا۔ اُن میں ایک نیا ڈاکٹر بھی تھا۔ اُس نے پھوڑا دیکھ کر کہا کہ ابھی ٹانگ نہ کاٹیں، فلاں ٹیکہ آزمالیں اور جب وہ ٹیکہ لگایا گیا تو حیرت انگیز طور پر پھوڑا ٹھیک ہونا شروع ہوگیا اور چند روز میں پھوڑے کا وجود ختم ہوگیا۔ حالانکہ اس سے پہلے دنیا جہاں کے بہترین علاج آزمائے جا چکے تھے اور افاقے کی کوئی صورت پیدا نہیں ہورہی تھی۔ دراصل یہ کرامت تھی پچھتر ہزار روپے کے صدقے کی اور قرآن پاک کی اس نوید کی کہ جو چیز عام انسانوں کے لئے نفع بخش ہوتی ہے۔ اللہ اُس کو دوام عطا کر دیتا ہے، وہ خیر و برکت کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

(۲)

چوہدری مظفر حسین مرحوم (وفات 22 جولائی 2003ء) علمی دنیا کا ایک معروف نام ہے۔ وہ محکمہ زراعت میں اکیسویں گریڈ کے افسر تھے، لیکن اُنہیں تعلیم اور اقبالیات سے گہری مناسبت تھی اور اس حوالے سے وہ متعدد کتابوں کے مصنف بھی تھے۔ "تعلیم" کے حوالے سے وہ اُردو اور انگریزی زبانوں میں دو رسالے بھی شائع کرتے تھے۔

چوہدری صاحب بہت اچھے انسان تھے اور مجھ سے بڑی محبت اور شفقت سے پیش آتے تھے۔ ایک بار میں نے "مکافاتِ عمل" ہی کے حوالے سے اُن سے کوئی یادگار واقعہ سنانے کی فرمائش کی تو اُنہوں نے بتایا۔ "چوہدری غلام قادر گوجر محکمہ زراعت ہی میں افسر تھے اور میرے دوست تھے۔ اُن کا آبائی تعلق قصبہ مینگوی تحصیل شکر گڑھ سے تھا۔ اُنہوں نے بتایا کہ اُن کے

والد زمیندار تھے اور بہت ہی نیک اور خدا ترس انسان تھے۔ صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے۔ زکوٰۃ اور عشر کا اہتمام کرتے تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ بہت غریب پرور اور حساس تھے۔ انہوں نے اپنے قصبے کی بیواؤں اور یتیم بچوں کے وظائف مقرر کر رکھے تھے، یتیم لڑکیوں کی شادیوں میں خرچ کرتے اور غریب طالب علموں کی دل کھول کر امداد کرتے تھے۔

غلام قادر گوجر نے بتایا کہ ایک برس چاول کی فصل بالکل تیار ہو چکی تھی کہ چوہوں نے یلغار کر دی اور پورا علاقہ کاٹ کر رکھ دیا لیکن ہمارے کھیتوں میں پراسرار طور پر دو بڑے بڑے بلّے آ کر بیٹھ گئے اور انہوں نے کسی چوہے کو کھیتوں میں نہیں گھسنے دیا اور ہماری فصل بالکل محفوظ و مامون رہی، اُسے معمولی سا بھی نقصان نہ پہنچا''۔

دیکھنے میں آیا ہے کہ جو لوگ زکوٰۃ اور عشر وغیرہ کا اہتمام کرتے ہیں، انہیں بھی اس کے روحانی ثمرات حاصل ہوتے ہیں لیکن اللہ کی طرف غیر معمولی فضل و کرم اُن افراد کے حصے میں آتے ہیں۔ جو غریب پروری اور صدقات وخیرات کا غیر معمولی اہتمام کرتے ہیں۔

(۳)

یہ واقع میرے گاؤں (واقع ضلع سیالکوٹ، تحصیل سمبڑیال) کے ایک شخص محمد شریف نے مجھے سنایا یہ غریب آدمی ہے اور مزدور پیشہ ہے۔ اس نے بتایا کہ سمبڑیال میں رانا شاہنواز نامی ایک شخص تھا۔ چھوٹا زمیندار تھا اور سمبڑیال منڈی کے قریب ہی تقریباً ایک کلومیٹر کے فاصلے پر اس کی چند ایکڑ زمین تھی جس میں وہ سبزیاں کاشت کرایا کرتا تھا۔

محمد شریف نے بتایا کہ شاہ نواز ایک معذور آدمی تھا کسی حادثے میں اُس کی ٹانگ اس طرح متاثر ہوئی کہ اُس کا فریکچر تو نہ ہوا، مگر گھٹنا منجمد ہو کر رہ گیا۔ وہ حرکت نہیں کرتا تھا اور شاہ نواز کو بیساکھیوں کا سہارا لینا پڑتا تھا۔

محمد شریف نے بتایا کہ شاہ نواز مزاج کا بہت ہی اچھا انسان تھا۔ نمازوں کا بھی پابند تھا اور بڑا ہی خوش اخلاق تھا۔ آلو اور سبزیاں کاشت کراتا اور جو مزدور اُس کے کھیتوں میں کام کرتے، وہ انہیں دوپہر کا کھانا بھی کھلاتا، انہیں آرام کا موقع بھی فراہم کرتا اور کام ختم ہو جاتا تو اُجرت دیتے

سے پہلے سب کو چائے پلاتا اور جلیبیاں کھلاتا تھا۔ یہ اُس کی مستقل عادت تھی اور اس میں وہ ناغہ نہیں ہونے دیتا تھا۔

لیکن ایک روز یوں ہوا کہ وہ جلیبیاں منگانا بھول گیا۔ چائے کا وقت ہو رہا تھا۔ اُس نے بیساکھیاں پکڑیں اور جلیبیاں لانے کیلئے منڈی سمبڑیال کی طرف چل پڑا۔

محمد شریف نے بتایا کہ تھوڑی دیر گزری تھی کہ ہم نے نہایت حیرت کے ساتھ دیکھا کہ رانا شاہ نواز اپنی دونوں ٹانگوں پر بیساکھیوں کے سہارے کے بغیر، خراماں خراماں چلتا ہوا آ رہا ہے۔ ہم کام روک کر، کھڑے ہو کر اُسے دیکھنے لگے۔ وہ ہمارے قریب آیا تو سب نے بیک زبان اُس سے پوچھا۔ یہ کیا ہو گیا، یہ کیسے ہو گیا؟ آپ ٹھیک ہو گئے، آپ ٹھیک ہو گئے۔ تب شاہ نواز نے بتایا کہ میں سمبڑیال منڈی سے جلیبیاں لے کر واپس آ رہا تھا کہ ریلوے لائن کے پاس ایک کھلی جگہ پر اچانک ایک بگولے نے مجھے گھیر لیا اور اُٹھا کر زمین پر پٹخ دیا اور جب میں کپڑے جھاڑتا ہوا اُٹھا تو دیکھا کہ میرا گھٹنا بالکل ٹھیک کام کر رہا ہے، اُس کا تناؤ مکمل ختم ہو چکا تھا۔ میں نے جلیبیوں کا لفافہ اُٹھایا اور چلتا ہوا آ گیا ہوں، اب مجھے چلتے ہوئے ذرا بھی تکلیف محسوس نہیں ہو رہی۔

اور یہ اعجاز تھا شاہ نواز کی غریب پروری کا، اپنے مزدوروں کی سچی خیر خواہی اور ہمدردی کا۔ مولانا حالیؒ نے اِسی جانب تو اشارہ کیا تھا ؎

کرو مہربانی تم اہل زمیں پر
خدا مہرباں ہو گا عرشِ بریں پر

(۴)

میں ایک شخص عبدالرحمٰن کو ذاتی طور پر جانتا ہوں۔ وہ غریب گھرانے سے تعلق رکھتا تھا اور سرکاری ملازم تھا۔ تنخواہ کے سوا اُس کی آمدنی کا کوئی معمولی سا بھی ذریعہ نہ تھا۔ مگر اللہ نے اُسے بہت بڑا دل عطا فرمایا تھا اور وہ اپنی حیثیت سے بڑھ کر اپنے والدین اور غریب رشتہ داروں کی مدد کرتا تھا۔ خصوصاً اُس نے اپنی تین بہنوں کی خوب خدمت کی، جس کے نتیجے میں اُس نے اُسے خوب نوازا اور حیرت انگیز طور پر اُسے تیزی کے ساتھ ترقیاں ملتی رہیں حتیٰ کہ وہ ملازمت کے

بیسویں گریڈ تک پہنچ گیا۔

اپنے آبائی گاؤں میں عبدالرحمٰن کے دو بڑے بھائی بھی رہتے تھے۔ یہ خود ملازمت کے سلسلے میں لاہور میں مقیم تھا اور والد کی وفات کے بعد والدہ اُسی کے ساتھ رہتی تھی۔ گاؤں میں اُس کے حصے میں تین کمروں کا مکان آیا تھا اور دنیاوی اعتبار سے اس مکان کے سوا اس کی کوئی جائیداد نہ تھی۔ نہ زمین، نہ پلاٹ اور نہ کوئی دکان۔ یہی اُس کا کل اثاثہ تھا۔ اب چونکہ والدہ اس کے پاس شہر میں رہتی تھی اور مکان خالی پڑا تھا، اس لئے بڑے بھائی نے وہ خریدنے کی خواہش ظاہر کی اور اُس نے بہت سستی قیمت پر یعنی بیس ہزار روپے میں مکان بھائی کے حوالے کر دیا۔

یہ بات مارچ 1983ء کی ہے۔ بیس ہزار روپے کی رقم عبدالرحمٰن نے زندگی میں پہلی بار دیکھی تھی۔ اُس کی بہت سی ضروریات تھیں، مالی مسائل بھی تھے لیکن اُس نے کمال ایثار سے کام لیا اور یہ ساری رقم اپنی بڑی بہن کی بیٹی کی شادی میں صرف کر دی۔ اس کا بہنوئی بہت نالائق اور غیر ذمہ دار آدمی تھا، بیوی بچوں پر کچھ بھی خرچ نہیں کرتا تھا اور اُن کی کفالت بھی عبدالرحمٰن کے ذمے تھی۔ چنانچہ اُس نے بھانجی کا سارا ضروری جہیز بنایا، شادی کے جملہ انتظامات کئے اور بارات کو کھانا وغیرہ کھلا کر بیٹی کو عزت سے رخصت کر دیا۔

اس واقعے کو تین ہی مہینے گزرے تھے کہ جون 1983ء میں حیرت انگیز طور پر عبدالرحمٰن کو لاہور کی ایک بہت اچھی بستی میں دس مرلے کا بنابنایا، کھلا، روشن اور ہوادار مکان مل گیا۔ وہ ذاتی مسائل سے عمر بھر بھی کوشش کرتا تو اس بستی میں تین مرلے کا پلاٹ بھی نہیں خرید سکتا تھا۔ مگر اللہ کا یہ وعدہ بھی تو اٹل ہے کہ ''جو کوئی اللہ سے ڈرتے ہوئے کام کرے گا، اللہ اُس کے لئے مشکلات سے نکلنے کا راستہ پیدا کر دے گا اور اُسے ایسے راستے سے رزق دے گا جدھر اُس کا وہم و گمان بھی نہ ہو''
(سورۃ الطلاق 65۔ آیت 2، 3)

حرب اسلامی اور دفاع پاکستان

(کرنل فضل ربیؒ)

غزوہ احزاب ۵ھ

اِذۡجَآءُوۡكُمۡ مِّنۡ فَوۡقِكُمۡ وَمِنۡ اَسۡفَلَ مِنۡكُمۡ وَاِذۡزَاغَتِ الۡاَبۡصَارُ وَبَلَغَتِ الۡقُلُوۡبُ الۡحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوۡنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوۡنَا o هُنَالِكَ ابۡتُلِىَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَزُلۡزِلُوۡا زِلۡزَالًا شَدِيۡدًا o

جب کہ وہ تمہاری طرف آئے تمہارے اوپر (یعنی بنو قریظہ کی طرف سے) اور تمہارے نشیب کی طرف سے (یعنی شامی رُخ سے) اور نظریں خیرہ ہوگئیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے اور تم خدا کے متعلق عجیب بدگمانیاں کرنے لگے۔ اِس موقع پر ایمان والوں کی آزمائش ہوئی اور بُری طرح جھنجھوڑ دیئے گئے۔

جنگ بدر کے اِنتقام کے لئے قریش نے اُحد کی لڑائی لڑی جس میں قریش کو کوئی واضح جیت نہ مل سکی۔ تو ابوسفیان نے اُحد سے واپسی کے وقت چیلنج دیا کہ آئندہ سال پھر بدر ہی میں تم سے ہمارا مقابلہ ہوگا۔

نبی کریم ﷺ حسب وعدہ اگلے سال مقررہ وقت پر بدر کے میدان میں تشریف لے گئے۔ ابوسفیان بھی مکہ سے نکلا تھا مگر مقابلہ کیے بغیر واپس ہوا۔ چنانچہ مسلمانوں پر ایک آخری اور کاری ضرب لگانے کے لئے قریش نے کوشش کر کے عرب کے تمام قبائل کو اپنے ساتھ ملالیا۔ شوال ۵ھ کو مختلف احزاب پر مشتمل دس ہزار نفوس کا لشکر مدینہ کی طرف روانہ ہُوا۔ نبی کریم ﷺ نے ہجرت کے بعد ہی سے دشمن کے ارادوں کی خوب خبر رکھی تھی۔ لہٰذا جیسے کفار کی تیاری کا علم ہُوا۔ نبی کریم ﷺ نے جہاد کی تیاری کا حکم دے دیا۔ آلات حرب وضرب اور سامان خورونوش کا انتظام کیا جانے لگا۔ نبی کریم ﷺ نے اکابر صحابہؓ کے ساتھ اطراف مدینہ کا چکر لگایا۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے ایران میں جنگوں کے دوران اختیار کیے گئے دفاعی تدابیر کا بھی ذکر کیا۔ نوجوانوں کی تعداد، موسم اور وقت کو مدنظر رکھتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے مدینہ کے شمال اور مغرب میں خندق کھودنے کا حکم دیا اس لیے کہ باقی تین اطراف پہاڑوں، آبادی اور باغات

سے گھرے ہوئے تھے اور صرف شمال کی طرف سے بغیر کسی رکاوٹ کے حرکت پذیری (MOBILITY) آسان تھی ۔نبی کریم ﷺ نے جبل سلع پر اپنے لیے خیمہ نصب کروایا اس مقام پر اور پڑاؤ کے دیگر مقامات پر آج کل چھوٹی چھوٹی مساجد تعمیر ہیں ۔یہاں سے نبی کریم ﷺ نے بنفس نفیس نہ صرف خندق کی کھدائی کی نگرانی کی بلکہ کھدائی میں حصہ لیا اور بنفس نفیس مٹی ڈھورہے تھے حتیٰ کہ حضور اکرم ﷺ کا پیٹ گردوغبار سے چھپ گیا۔آپؐ نے خود خندق کے حدود وقائم کیئے ۔دس دس سپاہ کی سیکشن پر خندق برابر سے تقسیم کی ۔صحابہ کرام کی تشویق کے لئے آپ ﷺ اِن کے ساتھ باآواز بلند یہ رجز پڑھتے تھے۔

اَللّٰھم لاعیش الاعیش الاخرۃ
فاغفر المھاجرین والانصار
واللّٰہ لولا انت ماھتدینا
ولاتصدقنا ولا صلینا
فانزلن سکینۃ علینا
وثبت الاقدام ان لاقینا
ان الاعداء رغبوا علینا
وان ارادو فتنۃ ابینا

اے اللہ آخرت کے آرام کے سوا کوئی آرام نہیں
پس مہاجرین اورانصار کی مغفرت فرما
تو ہدایت نہ کرتا تو کہاں ملتی نجات
کیسے ہم پڑھتے نماز کیسے دیتے زکوٰۃ
اب اتار ہم پر تسلی اے اللہ عالی صفات
پاؤں جمادے ہمارے دے لڑائی میں ثبات
بے سبب یہ دشمن ہم پر ظلم سے چڑھ آئے ہیں
جب وہ بہکائیں ہمیں سنتے نہیں ہم انکی بات۔

خندق کھودنے کے دوران آپ ﷺ سے کئی معجزوں کا ظہور ہوا جن میں سخت پتھر کا آپؐ کے لعاب سے ریزہ ریزہ ہونا تھوڑی سی کھجوروں سے پورے لشکر کا پیٹ بھرنا اور ایک بکری اور صاع جو کی روٹیوں سے ہزار لشکر کا دعوت ہونا شامل ہیں۔

خندق کی تکمیل کے بعد نبی کریم ﷺ نے اپنے پاس موجود تین ہزار سپاہ کو خندق کے دفاع، عورتوں کی حفاظت، شب خون مارنے اور فوری جوابی حملہ کے لئے بانٹ دیا۔ دشمن مدینہ کی طرف بڑھتے بڑھتے جیسے خندق کے قریب پہنچا تو حیران رہ گیا اس لئے کہ ایسی دفاعی لائن کا انہوں نے کبھی تصور ہی نہیں کیا تھا۔ لہٰذا مجبوراً پڑاؤ ڈال دیا۔ اور انفرادی طور پر جگہ جگہ سے خندق پار کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر خندق کی حفاظت پر مامور دستے اِن کو بھگاتے۔ ایک ماہ تک یہ محاصرہ جاری رہا۔ بالآخر تائیدایزدی رسد کی کمی، سردی کی شدت اور آپس میں پھوٹ کی وجہ سے یہ لشکر جرار نامراد واپس لوٹا۔ ارشاد ربانی ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ اِذْ جَآءَتْکُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَکَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا o

اے ایمان والو! اللہ کے اس احسان کو یاد کرو جب کہ فوجیں تم پر ٹوٹ پڑیں تو ہم نے ان پر طوفانی آندھی بھیجی اور ایسی فوجیں جن کو تم نہیں دیکھ سکتے تھے اور اللہ وہ سب کچھ دیکھ رہا تھا جو تم لوگ اس وقت کر رہے تھے۔

نظر عمیق کے ساتھ غزوہ احزاب کے مطالعہ کے بعد نبی کریم ﷺ کی طرف سے اختیار کی گئی مندرجہ ذیل دفاعی تدابیر سامنے آتی ہیں۔

دفاعی خندق غزوہ بدر اور اُحد کی طرح غزوہ احزاب میں بھی تعداد کے لحاظ سے دشمن کی فوج تین گنا سے تھوڑی زیادہ تھی۔ مگر اس دفعہ حضور اکرمؐ نے موسم، (سخت سردی) حالات (ایام حج کا قریب ہونا) اور قریش کی پہنچ میں دیری کی وجہ سے مدینہ میں رہ کر جنگ لڑنے کو ترجیح دی۔ مدینہ کے دفاع کے لیے نبی کریم ﷺ نے شمال اور مغرب کی طرف تقریباً ساڑھے تین میل لمبی خندق کھدوائی اور اسے دشمن کے خلاف بطور انٹی ٹینک استعمال کیا۔ عربوں کے لیے یہ خندق

انوکھی اور عجوبہ تھی دس ہزار لشکر کے ساتھ بھی مسلمانوں کے خون کے پیاسے حملہ تک نہ کر سکے بلکہ محاصرے کے آخری ایام میں انہیں مسلمانوں کی طرف سے حملے کا خطرہ ہونے لگا جب کہ اس کے برعکس مسلمانوں کو کسی اچانک حملے کا خطرہ نہ تھا اور اطمینان کے ساتھ اپنی مدافعت کر رہے تھے غزوہ احزاب میں مسلمانوں کا شعار "**ھم لا ینصرون**" تھا۔

خندق کا دفاع دفاعی لائن کا دفاع نہایت اہمیت کا حامل ہوتا ہے اگر دفاعی لائن محفوظ نہ ہو تو اس کا ہونا یا نہ ہونا برابر ہے بلکہ کبھی کبھی کمزور دفاعی لائن نہ ہونے سے زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اس اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے تہائی فوج کو صرف خندق کے دفاع پر مامور کیا اسی طرح دوسرے اطراف جہاں دفاعی خندق کے بجائے مکانات اور کھجور کے باغات تھے۔ وہاں بھی نگرانی کے لیے دستے مقرر کیے۔

سامانِ خور و نوش اور عوام کی حفاظت خندق کی تکمیل کے بعد نبی کریم ﷺ نے مستوراتِ مدینہ، بچوں، معذوروں، اناج، جانوروں اور دیگر قیمتی اثاثے کو مدینہ کے اندر قلعے میں محفوظ کر دیا۔ یہ قلعہ حضرت حسان بن ثابتؓ کی ملکیت میں تھا۔ یہ گڑھا نما قلعہ بنو قریظہ کی آبادی کے متصل تھا۔ یہودی قبیلہ بنو قریظہ کی طرف سے حملے کا خطرہ موجود تھا۔ لہٰذا نبی کریم ﷺ نے دو سو کی جمعیت کو حضرت سلمہ بن اسلمؓ کی امارت میں مدینہ کی حفاظت پر مامور کیا تھا۔ لہٰذا ایک دفعہ ایک یہودی نے موقع پا کر قلعے پر حملہ کیا۔ مگر نبی کریم ﷺ کی پھوپھی (حضرت صفیہؓ) نے خیمہ کی چوب مار کر اسے ہلاک کر دیا۔ مقامی سطح پر اگر رہائش پذیر تمام لوگ اپنے دفاع کا اسی طرح خود فکر کریں تو باقاعدہ فوج پہل کی کاروائی کے لیے بالکل فارغ رہتی ہے۔

گمراہ کن پروپیگنڈے سے دفاع میثاق مدینہ اور بعد میں اس کی تجدید کے مطابق بنو قریظہ کو مسلمانوں کا ساتھ دینا تھا نہ کہ ان کے خلاف کوئی سازش۔ مگر یہود ہمیشہ موقع کی تاک میں رہتے۔ محاصرہ کے دوران نبی کریم ﷺ نے بنو قریظہ کی طرف سے بد عہدی کی افواہ سنی تو آپ (ﷺ) نے تحقیق کے لیے سعد بن نعمان، سعد بن عبادہ اور عبداللہ بن رواحہ کو بنی قریظہ کے سردار کی طرف روانہ کیا۔ اور انہیں ہدایت کی کہ اگر عہد شکنی کی خبر صحیح ہو تو مجھے علیحدگی میں چپکے سے بتا دینا اور اگر غلط ہو تو لشکر میں اس امر کا اعلان کر دینا۔ اس تدبیر سے نبی کریم ﷺ کا مقصد

منفی پروپیگنڈوں اورافواہوں سے لڑاکا فوج کا دفاع کرنا تھا۔

دشمن کی صفوں میں پھوٹ ڈالنا محاصرہ طویل ہونے کے باعث دشمن کی فوج کا زور ٹوٹ رہا تھا مختلف قبائل کے درمیان وقت کے ساتھ ساتھ بدگمانیاں پیدا ہونا بھی نبی کریم ﷺ کے نزدیک ممکن تھا۔ اسی طرح اگلے مہینوں (ذی قعدہ اور ذی الحجہ) میں قریش مکہ جنگ کو مذہباً ناجائز سمجھتے تھے اسی لیے حضور اکرمؐ نے ایک نئی حکمت عملی کو بروئے کار لاتے ہوئے دشمن کی صفوں میں پھوٹ ڈال دی حضور اکرمؐ نے افواہ سازی اور پروپیگنڈے سے کام لیا اور ''الحرب خدعۃ'' پر عمل کیا۔ اس مقصد کے لیے حضورؐ نے ایک نومسلم سردار نعیم بن مسعودؓ کو متعین کیا جس نے نہایت ہوشیاری کے ساتھ قریش اور یہود کے درمیان ایسی پھوٹ ڈالی کہ دونوں کے دلوں میں یہ یقین پیدا ہوا کہ ہر ایک نے مسلمانوں سے سازباز کر رکھی ہے۔ اس مقصد کے لیے نعیم بن مسعود نے بنی قریظہ کو بنی غطفان اور قریش سے چند آدمی بطور رہن رکھنے پر آمادہ کیا۔ جبکہ دوسری طرف قریش اور بنی غطفان کو بتایا کہ بنی قریظہ تم سے کچھ لوگ لیکر محمد (ﷺ) کے پاس بھیجنا چاہتے ہیں تاکہ وہ انہیں قتل کریں۔ اس افواہ اور پروپیگنڈے پر کفار مکہ اور یہودیوں نے اپنی اپنی مرضی کے ساتھ محاصرے کو ختم کیا اور واپسی کی راہ لی۔

خطرہ ٹالنے کے لیے انتہائی کوشش کرنا

غزوہ احزاب کے دوران دس ہزار کے لشکر نے مسلمانوں کا مکمل محاصرہ کیا ہوا تھا۔ سردی کا موسم تھا۔ خندق کی دفاع، مدینہ کے اندر غیر لڑاکا افراد کا دفاع اور مخالف کے حملے کیلئے چوبیس گھنٹے تیار رہنے سے مسلمان اکتا چکے تھے۔ ایک مثالی سپہ سالار کی حیثیت سے آپؐ نے حالات کی نزاکت کے پیش نظر بنی غطفان کے سرداروں کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر تم قریش کا ساتھ چھوڑ دو گے تو مدینہ کی ایک تہائی پیداوار تمہیں دیں گے ابھی اس عہدنامے پر دستخط ہونے باقی تھے کہ انصار کے سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ سے آپؐ نے مشورہ چاہا۔ ان دونوں نے عرض کیا کہ اگر اللہ کی طرف سے حکم نہ ہو تو ہم بجز تلوار کے ان کو کچھ نہ دیں گے آپؐ نے فرمایا میں تم لوگوں کی تنگی اور شدت دیکھ کر یہ معاہدہ کرنا چاہتا تھا۔ ورنہ تمہیں اختیار ہے پھر سعدؓ نے اس کاغذ کو لے کر مٹا دیا۔

ہندو کی مسلم دشمنی

(تاریخ کے آئینے میں)

(پروفیسر محمد نواز جوندہ)

آج روشن خیالی اعتماد کی بحالی اور خیر سگالی کے جذبے کے تحت ہندوستان سے ہر سطح پر یکطرفہ تعاون ہو رہا ہے۔ نتیجے کے طور پر پاکستان کی نظریاتی سرحدوں کو بے دردی سے پامال کیا جا رہا ہے۔ پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے۔ جو ایک عقیدہ رکھنے والوں کے مطالبے کے طور پر معرض وجود میں آیا۔ ہندو نے ابتداء ہی سے اس کے علیحدہ تشخص کو کبھی تسلیم اور برداشت نہیں کیا۔ ہندو آئے دن پاکستان میں آکر لکیریں مٹانے اور ایک ہو جانے کا نعرہ لگاتے ہیں اور ہم نے اس ضمن میں مفاد کی خاطر بحری، بری اور ہوائی راستے کھول دیئے ہیں اور وسط ایشیاء میں تجارتی غرض سے ان کو ''Walk over'' دیدیا ہے۔ جو اس کی دیرینہ خواہش تھی۔ ایوب خان نے ہندوستان کو تین دریائے فروخت کر دیئے باقی دو دریاؤں کا پانی کئی بند باندھ کر ہندوستان مکمل طور پر اپنے استعمال میں لانے کے منصوبے بنا رہا ہے۔ ہمارا زرعی ملک آئندہ آنے والے وقتوں میں پانی کی ایک ایک بوند کو ترس جائے گا اور اس سلسلے میں ہم محض ''اعلیٰ سطح کے مذاکرات'' کرنے کا شوق پورا کر رہے ہیں۔ ہندوستان کی مادی ترقی کے لیے ہم انہیں دھرتی کا سینہ چیر کر گیس پائپ لائن بچھانے کو بے تاب ہیں۔ سرحد پار سکھوں کے جتھے کرپانیں لہراتے ہوئے وارد ہو رہے ہیں، فنکاروں کا آنا ایک معمول بن چکا ہے، دیدہ و دل فرش راہ کیے ہوئے ان پر پھول کی پتیاں نچھاور کرتے ہیں۔ آج ہم امریکی ایجنڈے کی تکمیل کے لیے نصاب میں تبدیلی کر کے برصغیر میں مسلمانوں کی تاریخ کو مسخ کر رہے ہیں۔ مسلمان حکمرانوں اور رہنماؤں کی بجائے سکندر اور اشوک کو ہماری تاریخ کا حصہ بنایا جا رہا ہے۔ مشرقی پاکستان سے بنگلہ دیش نصاب بدلنے اور ہندو اساتذہ کی تربیت کی وجہ سے ممکن ہوا تھا۔ ہندوستان میں مساجد کو تباہ کیا جا رہا ہے بمبئی میں لاؤڈ سپیکر پر اذان دینے پر پابندی ہے ادھر پاکستان میں مندروں کی تعمیر کی جا رہی ہے۔ امن اور باہمی بقاء وقت کی عین ضرورت ہے لیکن اپنے وجود اور تشخص کی بناء پر ہرگز نہیں۔ تاریخ جغرافیہ بدلتی ہے جغرافیہ تاریخ نہیں بدل سکتا۔ قائداعظم نے تحریک پاکستان کی قیادت کر کے برصغیر کا جغرافیہ بدل دیا آج ہمیں تاریخ کو بھلا کر جغرافیہ پڑھنے کی تلقین کی جا رہی ہے۔ برصغیر میں مسلمانوں کی آمد اور حکمرانی کے باوجود ہندوؤں نے مسلمانوں کو ناپاک اور غیر ملکی تصور کیا ہے۔ تاریخ کا بغور

جائزہ لیا جائے تو ثابت ہوتا کہ ہندوؤں کی اسلام دشمنی کی ابتدا اس دن سے ہوگئی تھی جس دن پہلے ہندو نے اسلام قبول کیا۔ پنجاب کے برہمن راجہ جے پال نے غزنی میں ایک اسلامی حکومت قائم ہوتی دیکھی تو غزنی پر حملہ کر دیا لیکن سبکتگین سے شکست کھائی۔ اس کے بیٹے آنند پال نے سبکتگین کے بیٹے محمود غزنوی (998-1030) کے ساتھ مذہب کے نام پر جنگ لڑی سارے شمالی ہندوستان کے راجوں کو مدد کیلئے بلایا کہ "ہندو مذہب خطرے میں" ہے لیکن شکست کھائی اور اس طرح ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت قائم ہونے کے اسباب پیدا ہو گئے۔ خاندان غلامان (1206-1290) ءاور خاندان خلجی (1290-1320) ء کے ابتدائی دو حکمرانوں کے عہد تک ہندو رعایا بن کر رہا لیکن خلجی خاندان کا خاتمہ خسرو ملک نے جو دراصل کاٹھیاواڑ کا ہندو تھا جس خوفناک طریقے سے کیا وہ تاریخ کا حصہ ہے۔ شاہی خاندان کے افراد کو چن چن کر قتل کرنے کے ساتھ ساتھ خواتین کی بے حرمتی کی۔ خلجی خاندان کے بچوں کو گجرات کاٹھیاوار کے ہندوؤں کے سپرد کر دیا۔ ساحلی علاقوں پر مسلمان تاجروں کی بستیوں کو تباہ کر دیا یہ سزا ان کے مسلمان ہونے کی وجہ سے دی گئی۔ ہندو کو جب موقع ملتا ہے رام راج قائم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

دکن اور بیجاپور کے ہندو راجاؤں نے مرکز سے دوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے جب موقع ملا مساجد کو تباہ کر کے ان میں بت رکھوا دیے اور قرآن پاک کی بے حرمتی کی اس طرح خاندان لودھی کے آخری دور (1517-1526ء) میں ہندوؤں میں پیدا ہونے والی احیاء کی جارحانہ تحریکوں سے اسلامی معاشرے کو کافی نقصان پہنچایا۔ ملک کے دور دراز علاقوں میں مسلمانوں کا قتل عام شروع ہو گیا صوبہ بہار میں آباد عثمانی النسل ترکوں کو ہندوؤں نے زبردستی ہندو بنانا شروع کیا، جنہوں نے نے مقابلہ کیا ان کو قتل کر دیا۔ مسلمان چونکہ ہر جگہ اقلیت میں تھے اس لیے زندگی عذاب بن گئی تھی۔ اس دور کے ذرائع آمد و رفت کو ذہن میں رکھا جائے تو مرکز سے فوری مدد پہنچنا آسان نہیں تھا ہندو اس بات کو جانتے تھے۔

مغل بادشاہ جلال دین محمد اکبر کے عہد میں متھرا کے قاضی عبدالرحیم نے ایک مسجد کی تعمیر کی غرض سے عمارتی سامان شہر کے ایک مقام پر رکھوایا۔ ایک بارسوخ برہمن نے اس پر قبضہ کر کے ایک مندر کی تعمیر میں استعمال کر لیا۔ قاضی کے ملازموں نے جب باز پرس کی تو اس نے حضور اکرم ﷺ کی شان میں گستاخانہ الفاظ استعمال کیے اسی عہد میں تھانیسر اور سرہند کے گرد و نواح میں ہندوؤں کی اسلام دشمن سرگرمیوں کے بے شمار واقعات ملتے ہیں۔ نہ جانے سارے ملک میں ایسے کتنے واقعات ہوئے ہوں گے جن کا ذکر پایہ تخت کے پاس بیٹھ کر لکھی جانے والی تاریخوں

میں نہ ملتا۔

شاہ جہان کی عہد میں گجرات (پنجاب) کے ہندوؤں نے مسلمان عورتوں کو اغواء کر کے اپنے گھروں میں رکھا ہوا تھا۔

مغلیہ حکومت کے زوال کے بعد مرہٹوں، دہلی کے نواح میں جاٹوں اور پنجاب میں سکھوں نے متحد ہو کر مسلمانوں کی تباہی میں بھرپور حصہ لیا۔

انگریزی حکومت ہندوستان میں قائم ہو جانے کے بعد ہندوؤں نے انگریز حکمرانوں کی مذہب کے معاملے میں عدم مداخلت اور غیر جانبداری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مسلمانوں کی دل آزاری کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ تاریخی تسلسل کے ساتھ ہندوؤں کی اسلام دشمن تنظیموں اور کچھ اہم واقعات کا تذکرہ کچھ یوں ہے (1804ء) میں حکومت برطانیہ سرکاری ریکارڈ کے مطابق ہندو مسلم فساد کا سب سے پہلا واقعہ بنارس میں ہوا۔ ہندوؤں نے اپنی تعداد کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مسلمانوں کو کافی جانی و مالی نقصان پہنچایا۔

(1828ء) میں بنگال کے مشہور روشن خیال لیڈر راجہ رام موہن رائے نے کمپنی کی ملازمت کے بعد ''برہمو سماج'' کی بنیاد رکھی انگریزی عہد حکومت میں ہندو احیاء کی یہ پہلی تحریک تصور کی جاتی ہے اگرچہ اس کا بنیادی مقصد ہندوؤں کی سماجی اصلاح تھا اس تحریک کے علمبردار ہندو مت نہیں چھوڑ سکتے۔ البتہ قدرے آزاد خیال ہوتے تھے راجہ رام موہن رائے کی موت کے بعد رابندر ناتھ ٹیگور نے اس تحریک کو سہارا دیا۔

(1849ء) میں صوبہ مہاراشٹر میں ایک فرقہ پرست ہندو تنظیم ''پراتھنا سماج'' شروع کی گئی اس تنظیم پر برہمو سماج کا کافی اثر تھا۔

(1867ء) میں سر سید احمد خان کے قیام دوران بنارس کے ہندوؤں نے اپنی اسلام دشمنی کا ثبوت دیتے ہوئے تمام سرکاری عدالتوں میں سے اردو زبان اور فارسی رسم الخط ختم کرانے کی کوشش کی جس کی وجہ سے سر سید نے ہندوؤں کے آئندہ عزائم کا اندازہ لگاتے ہوئے سمجھ لیا کہ اب ان دو قوموں کی راہیں جدا ہوں گی۔

(1875ء) سوامی دیانند نے مشہور فرقہ پرست تنظیم ''آریہ سماج'' کی بنیاد رکھی جس کا مقصد ہندوؤں کی جدید طرز زندگی کو قدیم ویدوں کے زمانے اور نمونے کے مطابق ڈھالنا تھا اس تنظیم کے مطابق اصل اور سچا مذہب تو صرف وید اور ''اپنشد'' ہے اس تنظیم میں ہندوؤں کی سیاسی آزادی تعلیم ترقی کے ساتھ اسلام دشمنی پر بڑا زور دیا جاتا تھا بعد میں پیدا ہونے والی ''شدھی''

تحریک دراصل اسی سلسلے کی کڑی ہے نیز اس تحریک کے مقاصد میں یہ نمایاں بات تھی اور اب بھی ہے کہ بھارت ماتا میں ''رام راج'' اُس وقت تک قائم نہیں ہوسکتا جب تک کہ مسلمانوں کا وجود بحیثیت ایک الگ قوم کے ختم نہیں کردیا جاتا۔

(1882ء) میں بنکم چندر چیڑجی کا ناول ''آنندمٹھ'' شائع ہوا اس ناول میں پہلی مرتبہ ہندوؤں کا قومی ترانہ بندے ماترم پیش کیا گیا تھا سارے ناول میں اسلام اور اس کی تعلیمات پر شدید حملے کئے گئے ہیں ناول کا ایک کردار جیون چند کہتا ہے:۔

''ہم نے مسلمانوں کی حکومت کو ختم کرنے کے متعلق مدتوں غور کیا ہے ہمارا مقصد ان غداروں کے اس قلعے کو تباہ کرنا ہے، ہمیں ان کو اٹھا کر سمندروں میں پھینکنا ہے، ان ملیچھوں کے گھر بار کو جلا کر راکھ کردینا ہے، بھارت ماتا کی مقدس دھرتی کو ان کے وجود سے پاک کرنا ہے۔

(1900ء) میں ہندوؤں کی مذہبی احیا، تعلیمی ترقی اور جذبہ قومیت کو فروغ دینے کے لیے راما کشنن مشن کی تنظیم وجود میں آئی یہ لوگ برہموسماج کے پیروکار تھے تنظیم کی شاخیں سارے ہندوستان میں تھیں ان کے خیال میں ویدوں کا زمانہ اور قدیم ہندوستان مثالی دور تھا۔

(1900ء) میں آل انڈیا ہندو مہاسبھا کی بنیاد رکھی گئی۔ دہلی میں تقریباً ایک لاکھ ہندوؤں نے جلوس نکال کر اپنی طاقت اور مسلمانوں کے خلاف نفرت کا مظاہرہ کیا۔

(1909ء) آریہ سماجی لیڈر ہردیال نے کہا'' آزادی حاصل کرنے کے لئے ہمیں مسلمانوں کی مدد کی ضرورت نہیں۔ اگر تم نے ان کی مدد سے سوراج حاصل کیا تو تم ہمیشہ ان پر انحصار کرتے رہوگے اس لیے ان کو اکیلا چھوڑ دو۔''

(1922ء) ایک مرہٹہ لیڈر مونجی نے ہندوؤں کو مسلمان کے خلاف مذہبی اعتبار سے منظم کرنے کے لیے سنگھٹن نام سے ایک تنظیم قائم کی جس کا مقصد ہندوؤں میں مذہب کے نام پر زیادہ سے زیادہ اتحاد پیدا کرنا تھا۔ اس تنظیم کے تحت ہندو نوجوانوں کو فوجی تربیت اور جسمانی ورزش سکھائی جاتی تھی تاکہ وہ مسلمانوں پر بوقت ضرورت موثر حملے کرسکیں ملک کے تمام بڑے شہروں اور قصبوں میں اس مقصد کے لیے اکھاڑے بنائے گئے۔

(1923ء) میں اس سلسلے کی ایک نہایت خطرناک اسلام دشمن تنظیم وجود آئی جس کا نام تندھی تھا اس کا بانی محکمہ پولیس کا ایک سابقہ ملازم منشی رام تھا جس کو رولٹ ایکٹ کے خلاف ایجی ٹیشن کے دوران سارے مسلمان کندھوں پر اٹھا کر جامع مسجد دہلی لے گئے تھے اور اس نے منبر پر کھڑے ہوکر تقریر کی اور یہی وہ شخص ہے جس نے حضور نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کی اور

ایک عاشق رسول عبدالرشید نے (1924ء) کواس کوموت کے گھاٹ اتار دیا۔اس کا بنیادی مقصد ہندوستان کے باشندوں کو جو دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے واپس اپنے اصلی مذہب پر لے جانا تھا۔یہ ہر مسلمان کو ناپاک تصور کرتے تھے چنانچہ اس تنظیم نے یو پی کے مغربی اور راجپوتانا کے مشرقی اضلاع میں ملکانہ راجپوت قوم کے لوگوں کو ہندو مت میں لانے کا آغاز کیا۔ یہ لوگ بدستور راجپوتانی آن کے نشے میں سرشار تھے ان کی معاشرتی زندگی بدستور ہندوانہ تھی بہر حال مسلمانوں کی تبلیغی جماعتوں نے بروقت نوٹس لیا اور یہ لوگ مرتد ہونے سے بچ گئے۔سنگھٹن اور شدھی دونوں تحریکوں کے مشترکہ عزائم اور اسلام دشمنی کی ایک جھلک مشہور کانگریسی اور آریہ سماج لیڈر رہر دیال کی کتاب ''میرے وچار'' میں ملتی ہے یہ کتاب 1925ء میں چھپی تھی ملاحظہ ہو ایک اقتباس ''میں اعلان کرتا ہوں کہ ہندوستان اور پنجاب میں ہندو نسل کے مستقبل کا انحصار چار چیزوں پر ہے'':۔

1۔ ہندو سنگھٹن

2۔ ہندو راج

3۔ مسلمانوں کی شدھی

4۔ افغانستان اور سرحدی علاقوں کی تسخیر

''جب تک ہندو قوم ان مقاصد کو حاصل نہیں کرتی ہماری اور ہماری آنے والی نسلوں کی سلامتی ہمیشہ خطرے میں رہے گی مسلمانوں کا ہندوستان کی سرزمین سے کوئی تعلق نہیں۔ان کا مذہب ان کی زبان ہمارے لئے اجنبی ہے وہ عربی فارسی پسند کرتے ہیں لہٰذا جس طرح آنکھ سے تنکا جدا کیا جاتا ہے عین اسی طرح ان لوگوں کو شدھی کرنی چاہیے۔افغانستان اور سرحدی علاقے کبھی ہندوستان کا حصہ ہوا کرتے تھے اب وہ مسلمانوں کے قبضے میں ہیں جس طرح نیپال میں ہندو مذہب ہے اِسی طرح افغانستان اور سرحدی علاقوں میں بھی ہندو مت مذہب ہونا چاہیے۔ ورنہ آزادی حاصل کرنے کا فائدہ کیا ان سرحدی علاقوں کے لوگ جنگجو اور بھوکے ہوتے ہیں اگر یہ ہمارے دشمن بن گئے تو نادر شاہ اور شاہ زمان کا دور واپس آجائے گا اس وقت تو انگریزی فوج نے ان سرحدوں کی حفاظت کر رکھی ہے لیکن یہ صورتحال ہمیشہ تو نہیں رہے گی''۔

شدھی کے پروگرام کی عکاسی اس دور کی ہندو سیاست اور ادب میں صاف نظر آتی ہے بقول ایک ہندو لیڈر ہمارا شدھی کا مشن کسی طرح ناکام نہیں ہونا چاہیے ایسے مواقع کبھی کبھی آتے ہیں اور ہندوؤ اگر تم میں رتی بھر مذہبی جذبہ ہے تو دنیا میں ایک بھی مسلمان نہ رہنے دو جس طرح

انگلستان انگریزوں کیلئے ہے فرانس فرانسیسیوں کے لئے اسی طرح ہندوستان صرف ہندوؤں کیلئے ہے۔

ایک ہندو لیڈر کی رائے میں۔

''ہندوستان میں مسلمانوں کا مستقبل بہت تاریک ہوگا تاوقتیکہ وہ نیشنلسٹ نہ ہو جائیں۔ ہم سوراج حاصل کرنے کے بعد مسلمانوں کی شدھی کریں گے، ہندو سنگھٹن اس لئے منظم کی جارہی ہے کہ صرف ہندو ہی قدیم ہندوستان کی تہذیب کے علمبردار ہیں۔ ہر ہندوستانی کا صرف ایک ہی عقیدہ ہو ''ہندومت'' جو کوئی اس کو ماننے سے انکار کرے اس کو ہندوستان سے نکال کر عرب کے ریگزاروں میں دھکیل دینا چاہیے۔ ہندوؤں کو چاہے کہ انگریز کی سرپرستی حاصل کر کے انتظامیہ کی کلیدی اسامیوں پر قابض ہو جائیں، پھر اس کا پہلا کام یہ ہو کہ انگریز کی مدد سے مسلمانوں کو کمزور کریں صرف اسی طریقے سے ہم مکمل سوراج حاصل کرسکیں گے''۔

(1906ء) سے (1927ء) تک ہندوؤں کا یہ طرز فکر کانگریس قیادت پر حاوی رہا اور (1937-39ء) کانگریسی وزارتوں نے مندرجہ بالا مقاصد پر عمل کرتے ہوئے مسلمانوں کے تشخص اور تہذیب و تمدن کا حلیہ بگاڑ دیا۔

(1924ء) میں ہندوؤں نے معاہدہ لکھنو اور مسلمانوں کے جداگانہ حق انتخاب کے خلاف ایک زبردست مہم شروع کی ہندو اخبارات نے مسلمانوں کے خطرہ کا ہوا کھڑا کر دیا اور ساتھ ہی پارلیمانی جمہوریت اور مضبوط مرکز پر زور دیا۔

(1924ء) گاندھی جیل سے رہا ہونے کے بعد عارضی طور پر سیاست سے الگ ہوگیا نتیجے کے طور پر کانگریس کی قیادت ہندو مہا سبھا کے ہاتھ میں آ گئی انہوں نے شدھی کی تحریک شروع کر دی ہندوؤں کے لئے ذاتی دفاع کے بہانے فوجی تربیت کا ایک منظم منصوبہ بنایا۔ (1925-26ء) کے دوران ملک گیر مسلم کشی کا ایک دور شروع ہوگیا۔ کوہاٹ، دہلی، کلکتہ، آلہ آباد، بریلی، ملتان میں وسیع پیمانے پر فسادات شروع ہو گئے۔ ان فسادات میں ایک اور خالص مذہبی فوجی اور دہشت گرتنظیم راشٹریہ سیوک سنگ وجود میں آئی جس نے 47ء کے فسادات میں مسلمانوں کی جان و مال اور عزت و آبرو لوٹنے میں سکھوں کے ساتھ مل کر نمایاں کردار ادا کیا۔ (1926ء) جون مسلمان حکمران کی ریاست حیدرآباد کے مقام ہامون آباد پر عید کے دن مہا سبھائی بلوائیوں نے مسلمانوں کے محلوں کو آگ لگا دی، لاکھوں کی جائیداد تباہ ہوگئی سینکڑوں مسلمان مارے گئے۔ (1926ء) کا سال مسلم کش فسادات کے سلسلے میں بہت اہم حیثیت رکھتا

ہے ملک کے مختلف مقامات پر فسادات کی ایک لہر اُٹھی ان سنگین فسادات کی تعداد 36 ہے جن میں 2000 افراد مارے گئے اکثریت مسلمانوں کی تھی ۔کلکتہ میں ہندوؤں نے نمایاں کردار ادا کیا ۔اشتعال دلانے کے لئے ہندوؤں نے نماز کے وقت مسجدوں کے سامنے باجے بجائے مسلمانوں نے غیرت ایمانی کا ثبوت دیتے ہوئے جوابی کاروائی کی امن بحال ہونے تک 200 دکانیں لوٹی جاچکی تھیں اور بارہ عمارتیں لوٹی یا تباہ کی گئیں آتشزدگی کے 150 واقعات ہوئے 1450 افراد زخمی ہوئے اور 120 مارے گئے کلکتہ میں ہندوؤں کا جانی و مالی نقصان برائے نام ہوتا تھا ۔

(1927ء) ہندو مسلم تعلقات میں کشیدگی اس قدر زیادہ ہوتی جارہی تھی کہ معمولی واقعات فسادات کی وجہ بن جاتے تھے فرقہ پرستی اور تعصب کا جنون ہندوستانی سیاست کا طرہ امتیاز تھا یہ سال بھی مسلمانوں کی جان سے ہولی کھیلنے میں کسی سال سے کم نہ تھا اس میں مجموعی طور پر 31 مسلم کش فسادات ہوئے شدید زخمیوں کی تعداد 8600 تھی ۔

(1928-29ء) بمبئی کا شہر فسادات کی نذر ہوگیا 1100 افراد شدید زخمی ہوئے اور 200 مارے گئے ہندو کارکنوں نے ہڑتال کی ان کی جگہ پٹھان لائے گئے ہندو بھپر گئے پٹھانوں پر حملہ کردیا ۔

(1931ء) مارچ کانپور کا شہر فساد کی لپیٹ میں آگیا تین دن لوٹ مار اور قتل و غارت ہوتی رہی 500 کے قریب افراد مارے گئے ۔

(1938ء) اپریل صوبہ بمبئی میں خانہ جنگی کی صورت پیدا ہوگئی روزانہ سارے صوبے میں 210 بلوئے ہوتے ان میں 560 افراد قتل ہوئے اور 4500 شدید زخمی ہوئے ملک گیر مسلم کش فسادات کا یہ سلسلہ (1940ء) تک جاری رہا بہر حال فسادات نے مسلمانوں پر ثابت کردیا کہ ہندو قابل اعتماد اور قابل اتحاد نہیں اور پھر سات سال بعد مشرقی پنجاب میں ہندو غنڈوں اور سکھوں نے مسلمان عورتوں اور بچوں کے ساتھ وہ ظلم کیا چشم فلک نے آج تک نہیں دیکھا تھا ۔ اور آج بھی برہمن سامراج کے اشارے پر سارے ہندوستان میں آئے دن مسلمان کو مسلمان ہونے کی سزا دی جاتی ہے اور ہم آہ بھی بھرتے ہیں تو پاک بھارت تعلقات اور اعتماد سازی میں دراڑیں پڑنے لگتی ہیں ۔ (بشکریہ روزنامہ نوائے وقت)

مذہب اور جدید چیلنج

(مولانا وحید الدین خاں)

فلکیات:۔

قرآن نے مادی کائنات کے آغاز و انجام کا ایک خاص تصور دیا ہے، یہ تصور سو برس پہلے تک انسان کیلئے بالکل نامعلوم تھا اور نزول قرآن کے زمانے میں تو اس کا تصور بھی کسی کے ذہن میں نہیں گزر سکتا تھا، مگر جدید مطالعہ نے حیرت انگیز طور پر اس کی تصدیق کی ہے، آغاز کائنات کے بارے میں قرآن کا بیان یہ ہے۔

اولم یر الذین کفروان السموات والارض کانتا رتقا ففتقنا ھما۔
(انبیاء۔۳۰)

کیا منکرین نہیں دیکھتے کہ زمین وآسمان ملے ہوئے تھے، پھر ہم نے اِن کو پھاڑ دیا''۔

اوراس کا انجام یہ بتایا گیا ہے۔

یوم نطوی السماء کطی السجل للکتب۔(الانبیاء۔۱۰۴)

''اس دن لپیٹ دیں گے ہم آسمان کو جیسے لپیٹتے ہیں طومار میں کاغذ''۔

ان الفاظ کے مطابق کائنات ابتداءً ایک سمٹی ہوئی حالت میں تھی، اور اس کے بعد پھیلنا شروع ہوئی، اس پھیلاؤ کے باوجود اس کا اصل مادہ اتنا کم ہے کہ تھوڑی سی جگہ میں اس کو دوبارہ سمیٹا جاسکتا ہے۔

کائنات کے بارے میں جدید ترین تصور یہی ہے، مختلف قرائن اور مشاہدات کی بنیاد پر سائنسدان اس نتیجے پر پہونچے ہیں کہ ابتدا میں کائنات کا مادہ جمود اور سکون کی حالت میں تھا، یہ ایک بہت ہی سخت سکڑی ہوئی اور گھٹی ہوئی انتہائی گرم گیس تھی، تقریباً پچاس کھرب سال پہلے ایک زبردست دھماکے سے وہ پھٹ پڑی اور اس کے ساتھ ہی اس کے ٹوٹے ہوئے اجزء چاروں طرف پھیلنے لگے، جب ایک بار پھیلاؤ شروع ہوگیا تو اس کا جاری رہنا لازمی تھا، کیونکہ اجزائے مادہ جیسے جیسے دور ہوں گے، ان کا باہمی کشش کا اثر ایک دوسرے پر کم ہوتا جائے گا، آغاز میں کائنات کا جو مادہ تھا، اس کے مکانی دائرہ کا اندازہ تقریباً ایک ہزار ملین سال نور ہے اور اب پروفیسر ایڈنگٹن کے اندازے کے مطابق وہ سابقہ دائرہ کے مقابلے میں تقریباً دس گنا بڑھ چکا ہے،

یہ عمل توسیع اب بھی جاری ہے، ایڈنگٹن کے الفاظ میں:۔

''ستاروں اور کہکشاؤں کی مثال ایک ایسے ربر کے غبارے کی سطح کے نشانات کی سی ہے جو مسلسل پھیل رہا ہو، اسی طرح اپنی ذاتی حرکت کے ساتھ تمام آسانی کرے کائناتی پھیلاؤ کے ساتھ ہر آن دور ہوتے جارہے ہیں''۔(The Limitations of Science, P.20)

دوسری بات بھی جدید ترین مطالعہ سے کائنات کے ڈھانچے کے عین مطابق ثابت ہوئی ہے قدیم انسان یہ سمجھتا تھا کہ ستارے اتنے ہی فاصلوں پر ہیں جیسے کہ وہ بظاہر نظر آتے ہیں، مگر اب معلوم ہوا کہ وہ دوری کی وجہ سے قریب قریب نظر آتے ہیں، ورنہ وہ ایک دوسرے سے بے انتہاء بعید فاصلے پر واقع ہیں اور یہی نہیں بلکہ وہ اجسام جو بظاہر سالم نظر آتے ہیں، ان کا بھی ایک بڑا حصہ درحقیقت خلا ہے، جس طرح شمسی نظام میں بہت سے سیارے اور سیارچے ایک دوسرے سے دور دور فاصلوں پر رہتے ہوئے ایک نظام کے تحت گردش کرتے ہیں، نظام شمسی کا خلا ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے ہیں، مگر ایٹمی نظام کا خلاء انتہائی چھوٹا ہونے کی وجہ سے نظر نہیں آتا، گویا ہر چیز، خواہ وہ بظاہر ٹھوس نظر آرہی ہو، اندر سے کھوکھلی ہے، مثلاً چھ فٹ لمبے چوڑے انسانی جسم کے مادی ذرات کے درمیان سے اگر خلا یا مکان (Space) کو نکال دیا جائے تو باقی ماندہ مادہ کی بساط بس ایک غیر مرئی دھبہ کی سی رہ جائے گی۔

اِسی طرح فلکی طبعیات کے ماہرین (Astrophysicists) نے کائنات میں پھیلے ہوئے پورے مادہ کا حساب لگایا ہے، ان کا کہنا ہے۔

IF ALL THIS WERE SRUEEZED WITHOUT LEAVING ANY SPACE, THE SIZE OF THE UNIVERSE WILL BE ONLY THIRTY TIMES THE SIZE OF THE SUN.

یعنی اگر ساری کائنات کو اس طرح سمیٹ دیا جائے کہ اس میں خلا باقی نہ رہے تو ساری کائنات کا حجم موجودہ سورج سے صرف ۳۰ گنا زیادہ ہوگا، جبکہ کائنات کی وسعت کا یہ حال ہے کہ شمسی نظام سے بعید ترین کہکشاں جو اب تک دیکھی جاسکی ہے، وہ سورج سے کئی ملین سال نور کے فاصلے پر واقع ہے۔

دور جدید کے ماہرین فلکیات اپنے مشاہدے اور ریاضیاتی اندازکی بنا پر اس نتیجہ پر پہونچے

ہیں کہ اجرام سماوی جس قانون کے تحت گردش کررہے ہیں، اس کے مطابق مستقبل بعید میں ایک وقت آنے والا ہے، جب چاند زمین کے بہت قریب آجائے گا اور دوطرفہ کشش کی تاب نہ لاکر پھٹ جائے گا اور اس کے ٹکڑے زمین کے گرد فضا میں پھیل جائیں گے۔

(MAN DOES NOT STAND ALONE, P. 24.)

''شق قمر'' کا یہ واقعہ اسی قانون کشش کے تحت ہوگا، جس کا مظاہرہ جوار بھاٹے کی شکل میں سمندروں میں ہوتا رہتا ہے، چاند بالائی فضا میں ہمارا قریب ترین ہمسایہ ہے، یعنی زمین سے اس کا فاصلہ صرف دو لاکھ چالیس ہزار میل ہے، اس قربت کی وجہ سے اس کی کشش کا اثر سمندروں پر پڑتا ہے اور دن میں دو بار پانی اوپر اُٹھ کر غیر معمولی تموج پیدا کرتا ہے، یہ موجیں بعض مقامات پر ساٹھ فٹ کے قریب اوپر تک اُٹھ جاتی ہیں، اور خشکی کی سطح بھی اس قمری کشش سے چند انچ تک متاثر ہوتی ہے، چاند اور زمین کا موجودہ فاصلہ بہت مناسب مقدار پر ہے، اور اس کے بہت سے فوائد ہیں، اس کے بجائے اگر یہ فاصلہ گھٹ جائے مثلاً پچاس ہزار میل پر آجائے تو سمندروں میں اس شدت سے طوفان برپا ہو کہ خشکی کا بیشتر حصہ اس میں غرق ہوجائے اور طوفانی موجوں کے مسلسل ٹکراؤ سے پہاڑ کٹ کر ریزے ریزے ہوجائیں، اور زمین اس کی کشش سے پھٹنے لگے۔

ماہرین فلکیات کا اندازہ ہے کہ زمین کی ابتدائی پیدائش کے وقت چاند اسی طرح زمین کے قریب تھا، اور اس وقت زمین کی سطح پر یہ سب کچھ ہوچکا ہے، اس کے بعد فلکیاتی قانون نے اسے موجودہ دوری پر پہنچا دیا، ان کا خیال ہے کہ ایک بلین سال تک یہ صورت باقی رہے گی، اور اس کے بعد یہی فلکی قانون دوبارہ چاند کو زمین کے قریب لائے گا، اور اس وقت چاند اور زمین کی باہمی کشش کا نتیجہ یہ ہوگا کہ چاند پھٹ جائے گا اور ٹکڑے ہوکر زمین کے گرد ایک حلقہ کی شکل میں پھیل جائے گا۔

یہ نظریہ حیرت انگیز طور پر اس پیشین گوئی کی تصدیق ہے، جو سورہ قمر میں وارد ہے، یعنی قیامت جب قریب آئے گی تو چاند پھٹ جائے گا اور اس کا پھٹنا قرب قیامت کی علامتوں میں سے ایک علامت ہوگا۔

اقتربت الساعة وانشق القمر o وان یروا ایۃً یعرضوا ویقولوا

سحر مستمر (القمر۔۱،۲)

''قیامت نزدیک آ گئی اور چاند پھٹ گیا اور یہ لوگ کوئی نشان دیکھتے ہیں تو اس سے اعراض کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہ جادو ہے جو سدا سے چلا آ رہا ہے''۔

ارضیات

پہاڑوں کے بارے میں قرآن مجید میں متعدد مقامات پر کہا گیا ہے کہ وہ زمین کا توازن برقرار رکھنے کیلئے ہیں، مثلاً فرمایا:۔

والقی فی الارض رواسی ان تمیدبکم (لقمان۔۱۰)

''اور زمین میں پہاڑ بنا دیئے تا کہ زمین تم کو لے کر جھک نہ پڑے''۔

ان الفاظ کے نزول کے پورے تیرہ سو برس تک انسانی علم پہاڑوں کی اس حیثیت کے بارے میں بالکل بے خبر تھا، مگر اب جغرافیہ اس سے آشنا ہو چکا ہے اور جدید جغرافی اصطلاح میں اس کو توازن (ISOSTASY) کہا جاتا ہے اگر چہ اس سلسلے میں انسان کا علم ابھی ابتدائی منزل میں ہے، تاہم انگلن کے الفاظ میں ''یہ سمجھا جاتا ہے کہ زمین کی سطح پر جو ہلکا مادہ تھا، وہ پہاڑوں کی شکل میں ابھر آیا اور جو بھاری مادہ تھا، وہ گہری خندقوں کی صورت میں دب گیا جن میں اب سمندر کا پانی بھرا ہوا ہے، اس طرح ابھار اور دباؤ نے مل کر زمین کا توازن برقرار رکھا ہے''۔

ایک اور مصنف لکھتا ہے۔

''جیسے خشکی پر وادیاں ہیں، اسی طرح سمندر کے نیچے بھی وادیاں ہیں، مگر سمندر کی تہہ کی اکثر وادیاں زیادہ گہری اور انسان کے تجرباتی دائرہ کے لحاظ سے بہت دور ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی غیر معمولی دباؤ سے سمندروں میں گہرے غار ہو گئے ہیں (یہ وادیاں سطح سمندر سے 35 ہزار فٹ تک گہری ہیں، یہ گہرائی کسی بھی پہاڑ کی بلندی سے زیادہ ہے، بعض مقامات پر یہ گھاٹیاں اتنی گہری ہیں کہ اگر زمینی پہاڑ کی سب سے اونچی چوٹی ماؤنٹ ایورسٹ کو جو 29002 فٹ بلند ہے، وہاں ڈال دیا جائے تو اس کے اوپر ایک میل کی اونچائی تک پانی بہتا رہے گا) حیرت یہ ہے کہ یہ سمندری خندقیں (OCEANIC TRENCHES) دور سمندر کے درمیان واقع ہونے کے بجائے خشکی کے قریب قریب پائی جاتی ہیں، کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وہ کون سا عظیم دباؤ تھا، جس نے سمندر کی تہہ میں یہ زبردست غار پیدا کر دیئے، مگر جزائری سلسلوں اور آتش فشاں

پہاڑوں سے ان کی قربت ظاہر کرتی ہے کہ پہاڑی بلندیوں اور سمندری خندقوں میں کوئی باہمی تعلق ہونا چاہئے، گویا کہ زمین اونچائی اور گہرائی کے ذریعہ اپنے توازن (BALANCE) کو قائم رکھتی ہے، جغرافیہ کے بعض مستند علماء کا خیال ہے کہ سمندری گہرائیاں آئندہ ابھرنے والی خشکی کی علامتیں ہوسکتی ہیں، کیونکہ پانی کے نیچے ان اندھیرے غاروں میں صدیوں سے بہہ بہہ کر خشکی اور سمندر کی تہہ کی گاد (SEDIMENT) تہہ بتہہ جمع ہورہی ہے، اور میلوں پاٹتی چلی جارہی ہے، اس لئے کسی وقت عدم توازن کی بناپر ہوسکتا ہے، کہ سمندر کے نیچے کی اتھاہ گہرائیوں میں جمع ہونے والے مادے کا دباؤ پڑنے سے نئے پہاڑ ابھر آئیں یا نئے جزائری سلسلے پیدا ہوجائیں، ساحل کے بعض پہاڑوں میں اس طرح کی سمندری گاد کے نشانات پائے گئے ہیں، مگر انسان کی موجودہ معلومات کے دائرے میں کوئی بھی نظریہ سمندری خندقوں کی مکمل توجیہ نہیں کرتا، یہ دائمی سرد اور دائمی تاریک غار جو فی مربع انچ سات ٹن بوجھ کے نیچے دبے ہوئے ہیں، وہ ابھی انسان کے لئے سمندر کے دوسرے معموں میں سے ایک معما ہیں''۔

(THE WORLD WE LIVE IN (N.Y.1965)

2۔اسی طرح قرآن میں یہ کہا گیا ہے کہ زمین پر ایک وقت ایسا گزرا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو پھاڑ کر پھیلا دیا۔

والارض بعد ذلك دحها اخرج منها مآء ها ومرعاها ۔

(النازعات 31)

اس کے بعد خدا نے زمین کو پھیلایا اور اس میں سے اس کا پانی اور چارہ نکالا۔

یہ الفاظ جدید ترین نظریہ انتشار براعظم (THEORY OF DRIFTING CONTINENTS) کے عین مطابق ہیں، اس نظریہ کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے تمام براعظم کسی زمانے میں ایک ہی بڑی زمین کے حصے تھے، اس کے بعد وہ پھٹ کر سطح زمین پر اِدھر اُدھر پھیل گئے اور بکھرے ہوئے سمندروں کے اردگرد براعظموں کی ایک دنیا آباد ہوگئی۔

اس نظریے کو پہلی بار باقاعدہ طور پر 1965ء میں ایک جرمن ماہر ارضیات الفرڈ ویجز (ALFRED WEGENER) نے پیش کیا، اس کی دلیل یہ تھی کہ براعظموں کو اگر قریب کیا جائے تو وہ سب کے سب ''JIGSAW PUZZLE'' کی طرح آپس میں جڑ

جاتے ہیں (مثلاً جنوبی امریکہ کا مشرقی ساحل افریقہ کے مغربی ساحل سے مل رہا ہے)۔
اس قسم کی اور بہت سی مشابہتیں ہیں جو وسیع سمندروں کے دونوں طرف پائی گئی ہیں، مثلاً ایک قسم کے پہاڑ، یکساں ارضیاتی سال کی چٹانیں، ایک قسم کے جانور اور مچھلیاں اور ایک طرح کے پودے، چنانچہ علم نباتات کا ماہر پروفیسر رونالڈ گڈ (RONALD GOOD) اپنی کتاب موسومہ (GEOGRAPHY OF THE FOLOWING PLANTS) میں لکھتا ہے:۔

''نباتات کے ماہرین کا تقریباً متفقہ نظریہ ہے کہ مختلف پودے جو زمین کے مختلف حصوں میں پائے جاتے ہیں، ان کی توجیہ اس کے بغیر نہیں ہوسکتی کہ ہم یہ فرض کریں کہ زمین کے ٹکڑے ماضی میں کبھی باہم ملے ہوئے تھے''۔

اور اب تو حجری کشش (FOSBIL MAGNETISM) سے تصدیق حاصل ہونے کے بعد اس کو قطعی سائنسی نظریہ کی حیثیت حاصل ہوگئی ہے، پتھر کے ذرات کے رخ کا مطالعہ کر کے یہ معلوم کرلیا جاتا ہے کہ زمانہ قدیم میں اس کی چٹان کا عرض البلد اور طول البلد کیا تھا، اس مطالعہ سے معلوم ہوا ہے کہ زمین کے جو ٹکڑے ماضی میں ان مقامات پر نہیں تھے، جہاں وہ آج نظر آتے ہیں، بلکہ ٹھیک ان مقامات پر تھے، جہاں براعظموں کے انتشار کا نظریہ تقاضا کرتا ہے، امپیریل کالج (لندن) میں فزکس کے استاد پروفیسر پی۔ایم۔ایس بلیکٹ (BLACKET) نے کہا ہے:۔

''ہندوستانی پتھر کی پیمائش یقینی طور پر بتاتی ہے کہ ستر 70 ملین سال پہلے ہندوستان خط استوا کے جنوب میں واقع تھا، جنوبی افریقہ کی چٹانوں کا مشاہدہ ثابت کرتا ہے کہ افریقی براعظم تین سو ملین سال پہلے قطب جنوبی سے ٹوٹ کر نکلا ہے''۔(تفصیل کے لئے ریڈرز ڈائجسٹ، جون 1961ء)

اوپر ہم نے جو آیت نقل کی ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے ''**دحو**'' کا لفظ استعمال کیا ہے، دحو کے معنی کسی مجتمع چیز کو پھیلانے اور بکھیر دینے کے ہیں، عربی میں کہا جاتا ہے ''**دحا المطر الحصی عن وجه الارض** ''(بارش زمین پر سے کنکریوں کو بہا لے گئی) تقریباً یہی مفہوم انگریزی لفظ ''DRIFT'' کا بھی ہے، جو اس جغرافی نظریے کی تعبیر کیلئے موجودہ زمانے میں اختیار کیا گیا ہے، قدیم ترین ماضی اور حال میں اس حیرت انگیز یکسانیت کی توجیہہ اس کے سوا

اور کیا ہوسکتی ہے کہ یہ ایسی ہستی کا کلام ہے، جس کا علم ماضی اور حال سب پر محیط ہے۔

غذائیات:۔

کتاب الٰہی میں انسان کیلئے جو مینو بتایا گیا ہے، اِس کے مطابق خون ہمارے لئے حرام ہے، نزول کتاب کے وقت تک انسان اس قانون کی غذائی اہمیت سے بے خبر تھا، لیکن بعد کو جب سائنسی طور پر خون کے اجز کی تحلیل کی گئی تو معلوم ہوا کہ یہ قانون نہایت اہم مصلحت پر مبنی تھا، سائنسی تجزیہ نے اس کو رد نہیں کیا بلکہ اس کی معنویت ہم پر واضح کی۔

یہ تجزیہ بتاتا ہے کہ خون میں کثرت سے یورک ایسڈ (URIC ACID) موجود ہے، جو ایک تیزابی مادہ ہونے کی وجہ سے خطرناک زہریلی تاثیر اپنے اندر رکھتا ہے اور غذا کے طور پر اس کا استعمال سخت مضر ہے، ذبیحہ کا مخصوص طریقہ جو اسلام میں بتایا گیا ہے، اس کی مصلحت بھی یہی ہے، اسلامی اصطلاح میں ذبیحہ سے مُراد جانور کو خدا کے نام پر ایسے طریقہ سے ذبح کرنا ہے، جس سے اس کے جسم کا سارا خون نکل جائے اور یہ اسی طرح ممکن ہے کہ جانور کی صرف شہ رگ کو کاٹا جائے لیکن گردن کی رگوں کو قائم رکھا جائے تا کہ مذبوحہ کے دل اور دماغ کے درمیان موت تک تعلق قائم رہے، اور جانور کی موت کا باعث صرف کامل اخراج خون ہو نہ کہ کسی اعضائے رئیسہ پر صدمہ کا پہنچنا، کیونکہ کسی اعضائے رئیسہ مثلاً دماغ، دل یا جگر کے صدمہ رسیدہ ہونے سے فی الفور موت تو وارد ہو جاتی ہے، لیکن ایسی صورت میں خون آناً فاناً جسم میں منجمد ہو کر تمام گوشت میں سرایت کر جاتا ہے اور سارا گوشت یورک ایسڈ کی آمیزش کی وجہ سے زہریلا ہو جاتا ہے۔

اسی طرح سور کو بھی حرام کیا گیا ہے، زمانہ قدیم میں انسان کو اس کے بارے میں کچھ زیادہ معلوم نہ تھا، مگر جدید طبی تحقیقات نے بتایا ہے کہ اس کے اندر بہت سے نقصانات ہیں، مثلاً مذکورہ بالا یورک ایسڈ جو ایک زہریلا مادہ ہے اور ہر جاندار کے خون میں موجود رہتا ہے، اور جانداروں کے جسم سے تو خارج ہو جاتا ہے، مگر سور کے اندر سے خارج نہیں ہوتا، گردے جو ہر انسانی جسم میں ہوتے ہیں، وہ اس زہریلے مادے کو پیشاب کے ذریعہ خارج کرتے رہتے ہیں، انسانی جسم اس مادے کو نوے فیصدی خارج کر دیتے ہیں، مگر سور کے جسم کے عضلات کی ساخت کچھ اس قسم کی واقع ہوئی ہے کہ اس کے خون کا یورک ایسڈ صرف دو فیصدی ہی خارج ہو پاتا ہے اور بقیہ حصہ اس کے جسم کا جزو بنتا رہتا ہے، چنانچہ سور خود بھی جوڑوں کے درد میں مبتلا رہتا ہے، اور اس کا گوشت

کھانے والے بھی وجع المفاصل جیسی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔
اس طرح کی مثالیں کثرت سے قرآن وحدیث میں موجود ہیں اور یہ مثالیں اس بات کا قطعی ثبوت ہیں کہ یہ غیر انسانی ذہن سے نکلا ہوا ہے، بعد کی معلومات نے حیرت انگیز طور پر اس پیشین گوئی کی تصدیق کی ہے، جس کو ہم اوپر نقل کر چکے ہیں۔
''عنقریب ہم آفاق وانفس میں اپنی نشانیاں دکھائیں گے یہاں تک کہ ظاہر ہو جائے گا کہ یہ حق ہے''۔ (القرآن)
یہاں میں ایک واقعہ نقل کروں گا جس کے راوی علامہ عنایت اللہ مشرقی ہیں اور اس کا تعلق انگلستان سے ہے:۔
''۱۹۰۹ کا ذکر ہے، اتوار کا دن تھا، اور زور کی بارش ہو رہی تھی، میں کسی کام سے باہر نکلا تو جامعہ کیمرج کے مشہور ماہر فلکیات سر جیمز جینس (JAMES JEANS) پر نظر پڑی جو بغل میں چھتری دبائے چرچ کی طرف جا رہے تھے، میں نے قریب ہو کر سلام کیا، انہوں نے کوئی جواب نہ دیا، دوبارہ سلام کیا تو وہ متوجہ ہوئے اور کہنے لگے، ''تم کیا چاہتے ہو'' میں نے کہا، دو باتیں اول یہ کہ زور سے بارش ہو رہی ہے اور آپ نے چھاتا بغل میں داب رکھا ہے، سر جیمز اپنی بدحواسی پر مسکرائے اور چھاتا تان لیا، دوم یہ کہ آپ جیسا شہرہ آفاق آدمی گرجا میں عبادت کیلئے جا رہا ہے، یہ کیا؟ میرے اس سوال پر پروفیسر جیمز لحہ بھر کیلئے رُک گئے اور پھر میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا ''آج شام کو چائے میرے ساتھ پیو'' چنانچہ میں شام کو ان کی رہائش گاہ پہنچا، ٹھیک 4 بجے لیڈی جیمز باہر آ کر کہنے لگیں ''سر جیمز تمہارے منتظر ہیں'' اندر گیا تو ایک چھوٹی سی میز پر چائے لگی ہوئی تھی، پروفیسر صاحب تصورات میں کھوئے ہوئے تھے کہنے لگے ''تمہارا سوال کیا تھا'' اور میرے جواب کا انتظار کئے بغیر اجرام آسمانی کی تخلیق، ان کے حیرت انگیز نظام، بے انتہا پنہائیوں اور فاصلوں، ان کی پیچیدہ راہوں اور مداروں نیز باہمی کشش اور طوفان ہائے نور پر وہ ایمان افروز تفصیلات پیش کیں کہ میرا دل اللہ کی اس داستان کبریا و جبروت پر دہلنے لگا، اور ان کی اپنی کیفیت یہ تھی کہ سر کے بال سیدھے اُٹھے ہوئے تھے، آنکھوں سے حیرت وخشیت کی دوگانہ کیفیتیں عیاں تھیں، اللہ کی حکمت و دانش کی ہیبت سے ان کے ہاتھ قدرے کانپ رہے تھے، اور آواز لرز رہی تھی، فرمانے لگے ''عنایت اللہ خاں! جب میں خدا کے تخلیقی کارناموں پر نظر ڈالتا

ہوں تو میری تمام ہستی اللہ کے جلال سے لرزنے لگتی ہے، اور جب کلیسا میں خدا کے سامنے سرنگوں ہو کر کہتا ہوں "تو بہت بڑا ہے" تو میری ہستی کا ہر ذرہ میرا ہمنوا بن جاتا ہے، مجھے بیحد سکون اور خوشی نصیب ہوتی ہے، مجھے دوسروں کی نسبت عبادت میں ہزار گنا زیادہ کیف ملتا ہے، کہو عنایت اللہ خاں! تمہاری سمجھ میں آیا کہ میں گرجے کیوں جاتا ہوں"۔

علامہ مشرقی کہتے ہیں کہ پروفیسر جیمز کی اس تقریر نے میرے دماغ میں عجیب کہرام پیدا کر دیا میں نے کہا "جناب والا! میں آپ کی روح افروز تفصیلات سے بے حد متاثر ہوا ہوں، اس سلسلے میں قرآن کی ایک آیت یاد آگئی اگر اجازت ہو تو پیش کروں، فرمایا "ضرور" چنانچہ میں نے یہ آیت پڑھی:

ومن الجبال جدر بيض و حمر مختلف الوانها و غرابيب سوده ومن الناس والد وآب والانعام مختلف الوانه كذلك ط انمايخشي الله من عباده العلمآء ط (فاطر 27،28)

پہاڑوں میں خطے ہیں، سفید اور سرخ اور طرح طرح کے رنگ کے اور کالے اور آدمیوں میں اور کیڑوں میں اور چوپاؤں میں، اسی طرح مختلف رنگ ہیں، اللہ سے ڈرتے وہی ہیں اس کے بندوں میں سے جو علم رکھتے ہیں۔

یہ آیت سنتے ہی پروفیسر جیمز بولے:۔

"کیا کہا۔۔اللہ سے صرف اہل علم ڈرتے ہیں، حیرت انگیز بہت عجیب، یہ بات جو مجھے پچاس برس مسلسل مطالعہ و مشاہدہ کے بعد معلوم ہوئی محمد ﷺ کو کس نے بتائی، کیا قرآن میں واقعی یہ آیت موجود ہے، اگر ہے تو میری شہادت لکھ لو کہ قرآن ایک الہامی کتاب ہے محمد ﷺ ان پڑھ تھا، اسے یہ عظیم حقیقت خود بخود معلوم نہیں ہو سکتی، اسے یقیناً اللہ نے بتائی تھی، بہت خوب، بہت عجیب۔۔۔" (نقوش، شخصیات نمبر، 9-1208)

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی انفرادیت

1۔ دوسرے سلسلوں کی روحانی معراج اور آخری منزل کشف وکرامات کا حصول ہے لیکن ہمارے سلسلہ میں اُنکی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ ہمارے سلسلہ کا آخری مقصد اللہ کا قرب، عرفان اور لقاء کا حصول ہے۔

2۔ بزرگان عظام اور اولیائے کرام کی کرامات برحق اور انکی دعاؤں کی مقبولیت مسلم لیکن ہم مشکل کشاء اور حاجت روا صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو مانتے ہیں۔

3۔ موجودہ دور کی مصروف زندگی کو مدنظر رکھتے ہوئے مختصر اور سہل اوراد واذکار تلقین کیئے جاتے ہیں۔

4۔ ہمارے سلسلہ میں مجاہدہ کیلیئے غصہ اور نفرت کو مکمل طور پر نفی کرنے اور عالمگیر محبت اور صداقت کو اختیار کرنے کی مشق کروائی جاتی ہے۔ یہ تربیت گھر کی چاردیواری کے اندر احسن طریقے سے ہوسکتی ہے۔

5۔ بانی سلسلہ توحیدیہ کے وصیت نامہ کے مطابق سلسلہ توحیدیہ کے روحانی پیشوا کا منصب ہمیشہ ہمیشہ کیلیئے غیر وارثتی ہوگا۔

6۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی تعلیم مذہبی گروہ بندیوں اور فرقہ واریت سے بالاتر اور وسعت قلب ونظر کی مظہر ہے۔

7۔ ہمارے سلسلہ میں مریدوں کی تعداد بڑھانے کیلیئے اندھا دھند بیعت نہیں کیا جاتا ہر شخص کو بیعت کرنے سے پہلے کم ازکم چھ ماہ طالب رکھا جاتا ہے تاکہ وہ جماعت کے مقاصد سے اچھی طرح آگاہ ہوکر داخل سلسلہ ہو۔

8۔ سلسلہ توحیدیہ میں متوازی زندگی بسر کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ جس میں نہ تو دنیا کو ترک کرنے کی اجازت ہے اور نہ ہی اِس میں غرق ہوجانے کی۔

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف

تعمیر ملت

قرون اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات اسلامی تصوف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔

چراغ راہ

کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔

سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔

زوال امت میں امراء، علماء، صوفیا کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔

تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوف کے انسانی زندگی پر اثرات۔

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔

طریقت توحیدیہ

یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہیئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد و اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر کے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔

حقیقت وحدت الوجود

وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔ مصنفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدہ کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کر دیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:-

حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقا اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الوجود کو جنم دیا اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔